قسط 5

زندگی کبھی اسکے لیے
بھی حسین ہوا کرتی تھی،
حسین رنگوں کی طرح ،
زندگی کبھی اس پر بھی
مہرباں ہوا کرتی تھی،
بارش کے قطروں کی طرح ،
زندگی کبھی اسکے لیے بھی
خوشگوار احساس ہوا کرتی تھی،
پھولوں کی مہک کی طرح ،
لیکن فقط " کبھی ہوا کرتی تھی"۔

برستی بارش میں وہ تنہا کھڑا تھا، کسی اُونچی بلڈنگ کی چھت پر، نیچے دیکھنے سے سڑک پر چلتی گاڑیاں چیونٹی کی مانند دکھتی تھیں، وہ ہر چیز سے بے نیاز، یہاں تک بارش میں بھیگتے اپنے وجود سے بھی بے نیاز، سرخ متورم آنکھیں لیے تنہائی میں کھڑا تھا، کبھی کبھار ہماری حالت ہمیں خود پر ہی ترس کھانے پر مجبور کردیتی ہے، کیا بارش میں بھیگتا لڑکا؟ انسان نہیں ہے؟ کیا اسکے سینے میں دل موجود نہیں؟ کیا وہ لڑکا خوشیوں کا حقدار نہیں؟ کیا وہ لڑکا ایک سچی مسکراہٹ کا بھی حقدار نہیں؟ کب تک لوگ اسے اپنی زندگی کا کانٹا سمجھ کر اسے اپنی زندگیوں سے نکالتے رہیں گے؟ ہر ایک کی تکلیف کا باعث آخر وہ ہی کیوں بنتا تھا؟ وہ تو ھیلر تھا، اسکا مقصد تو ھیل کرنا تھا، پھر بھی لوگ اسے ہی کیوں اپنے راستے کا کانٹا سمجھ بیٹھتے تھے؟ یا شاید وہ غلط تھا، شاید وہ ھیلر نہیں تھا، اونچائی پر کھڑا لڑکا اب تھک چکا تھا۔

"تمہیں میں دوسروں سے مختلف سمجھتی تھی، دوسرے تمام مردوں سے میں نے تمہیں ہمیشہ الگ سمجھا تھا"۔

"میں خاص نہیں ہوں میں عام ہوں، ایک عام مرد"۔وہ مکمل طور پہ بھیگ چکا تھا، ماتھے پر بکھرے گیلے بالوں سے پانی ٹپ ٹپ گرتا اسکی آنکھوں پر بہہ رہا تھا۔

"لیکن میں ہمیشہ مردوں کی پہچان میں بہت بُری رہی ہوں ، اور اس بار بھی میں غلط ثابت ہوئی ، دیکھو تم میں اور ان میں کوئی فرق نہیں رہا ، تم بھی مفاد پرست ہو وہ بھی مفاد پرست ہیں"۔

"ماہ نور سجاد تم واقعی میں مردوں کی پہچان نہیں رکھتی"۔اس کی آنکھوں میں کچھ تھا ، کچھ بہت الگ ، جانے کیا تھا ، لیکن کچھ ایسا تھا جس سے سب کی زندگیاں پلٹنے والی تھیں

****

اس رات آنے والا طوفان اپنے ساتھ دو لوگوں کے اعتبار کا رشتہ بہا لے گیا تھا۔نجانے کب سے وہ انجان سڑکوں میں بارش تلے بھیگتی چلتی جارہی تھی، چادر میں لپٹا اسکا وجود مکمل طور پر بارش کی وجہ سے بھیگ چکا تھا ، اسکا دماغ مختلف سوچوں کے بھنور میں پھنسا ہوا تھا۔

"بہت جلد میں تمہیں ایک آخری فیور دینے جا رہا ہوں ، ایک آخری فیور!!

جب تمہیں اندازہ ہو گا تب تک میں بہت دور جا چکا ہوں گا ، بہت دور!

”!!And do remember this , you can’t catch me unless I want to

کونسا فیور؟؟؟ وہ کونسے فیور کی بات کر رہا تھا؟ وہ کہاں جانے کی بات کر رہا تھا؟ بہت سارے سوال اسکے ذہن میں گردش کر رہے تھے۔

چلتے چلتے اسے یہ تک اندازہ نہ ہوا وہ کس موڑ پر آ پہنچی تھی۔

'اگر وہ سہی نکلا؟'اسکے ضمیر نے آواز اٹھائی۔

نہیں ! وہ درست نہیں ہے ،وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ریحان ایسا نہیں کرسکتا ، وہ بہت ڈیسنٹ انسان ہے'

اپنے ذہن سے مختلف سوچوں کو جھٹکتی وہ مڑنے لگی تھی ،جب اسے لگا یہ کوئی شناسا سی جگہ ہے ،اس نے غور سے اس جگہ کو دیکھا ، یہ وہی موڑ تھا ، وہی گلی تھی ،جہاں پہلی دفعہ اسے وہ ملا تھا ، جہاں انکی پہلی ملاقات ہوئی تھی، وہ وہاں کھڑی اسی منظر میں کھوگئی تھی جس منظر میں وہ کبھی موجود تھا۔

"ایک بات یاد رکھیۓ گا!! اپنے پیٹھ پیچھے موجود دشمنوں کو ایسے گھائل کریں کہ وہ دوبارہ اٹھنے کے قابل نہ رہیں ، اگر انہیں زخمی حالت میں چھوڑ دیا جائے ، تو وہ اٹھ کر دوبارہ پیچھے سے وار کیا کرتے ہیں۔سامنے موجود دشمنوں کی چال تو آپ با آسانی روک سکتی ہیں ، لیکن پیچھے سے ہوئے وار اکثر ہمارے لیے ناسور ثابت ہوتے ہیں، بی کیئر فل نیکسٹ ٹائم مادام ،ٹیک کیئر!"

پہلی ملاقات کے آخری الفاظ نجانے کیوں اب زیادہ تکلیف دہ محسوس ہو رہے تھے ، نجانے کیوں اسے کچھ عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔

کہانیاں ہمیں اکثر وہی لا کھڑا کرتیں ہیں جہاں سے وہ شروع ہوئیں تھیں۔

****

یہ منظر اس حویلی میں بنے پر تعیش ڈرائینگ روم کا ہے۔ڈرائینگ روم بہت وسیع تھا۔دیوار کے ساتھ ایک خوبصورت ایل شیپ کی صورت میں مجلس بنائی گئ تھی
(مجلس، ایل شیپ میں رکھے گ ئے صوفوں کو بولتے ہیں)
مجلس کے بیچ میں شیشے کا خوبصورت سینٹر ٹیبل رکھا گیا تھا۔سینٹر ٹیبل کے اوپر سینٹڈ کینڈلز رکھی گئیں تھیں۔اس کے سیدھ میں شیشے کا بنا خوبصورت سلائیڈنگ ڈور تھا ، جو باہر کی طرف کُھلتا تھا۔وہاں سے باہر کا منظر بے حد دلچسپ تھا۔شیشے کے پار گول دائرے میں بنا سوئمنگ پول اس منظر کو مزید پُرکشش بناتا تھا ، جس میں سے پانی فوارے کی صورت میں اوپر سے نیچے کی سمت بہہ رہا تھا۔

قرمز رنگ کے خوبصورت کُرتے کے ساتھ وائٹ کیپری پہنے، کندھوں پر ابان کی بھوری شال اوڑھے، پیروں میں فر والے نرم و ملائم شوز پہنے ، بالوں کو جوڑے کی شکل دیئے، وہ شیشے کے پار

اس منظر کو محو ہو کے دیکھنے میں مصروف تھی۔شام ڈھل رہی تھی، سورج غروب ہورہا تھا۔وہ آسمان کے بدلتے رنگوں کو بہت غور سے دیکھ رہی تھی ، اسے وہ سب بہت فیسینیٹ کررہا تھا۔

"ڈسٹربڈ ہیں؟"۔

وہ چونکی اسکا ارتکاز ٹوٹا، اس نے تھوڑی سی گردن موڑ کے دیکھا تو اسکے قریب وہ کھڑا تھا،سلائیڈنگ ڈور کے ساتھ اپنی پشت ٹکائے، دونوں بازوؤں کو سینے پر باندھے، ٹانگوں کو تھوڑا سا ترچھا کیے، چہرے پر دھیمی مسکراہٹ سجائے ابان کھڑا تھا۔وہ سفید کرتے میں ملبوس تھا، پیروں میں چمکتے کالے بوٹ پہنے، دائیں کلائی پر کالے رنگ کی خوبصورت ایپل واچ پہنے بالوں کو ہمیشہ کی طرح نفاست سے سجائے وہ بے حد ہینڈسم لگ رہا تھا۔

"آپ نے کبھی رہنے ہی نہیں دیا۔"اس پر بھرپور نظر ڈالتے وہ دھیمی سی مسکان کے ساتھ بولی۔

اسکی معصوم سی بات پر اسکی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔

"انوشے آپ جانتیں ہیں آپ مجھ سے کچھ بھی چھپا نہیں سکتیں۔آپ مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتیں، پھر آپ ناکام کوششیں کیوں کرتیں ہیں؟"

اسکی طرف دیکھتے وہ اسکے گریز پر چوٹ کرتے ہوئے بولا۔

انوشے نے اپنی کالی خوبصورت آنکھیں اٹھا کر ابان کی طرف دیکھا، وہ اب مسکرا نہیں رہی تھی ،وہ اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی، کیا تھا اس شخص میں؟ یہ شخص اتنا پیارا کیوں تھا؟ اسکا دل اتنا حسین کیوں تھا ؟

"اس لیے کیونکہ مجھے اچھا لگتا ہے آپ کا بار بار پوچھنا، اس لیے کیونکہ مجھے اچھا لگتا ہے ، آپ کا میری کیئر کرنا۔"

"اتنی معصوم کیوں ہیں آپ؟ اتنی معصوم خواہشات کیوں ہیں آپ کی انوش؟ "
چہرے پر دلکش مسکراہٹ سجائے وہ اس کے معصوم سے چہرے کو تکتے ہوئے بولا۔

"اتنے پیارے کیوں ہیں آپ؟ اتنا حسین دل کیوں رکھتے ہیں آپ ابان؟"
چہرے پر نرم سا تاثر سجائے وہ اس کے صبیح چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"مسز پیارا تو میں شروع سے ہی تھا۔وہ الگ بات ہے آپ نے نظر ثانی اب کی ہے"۔شرارت سے لب دباتے ہوئے بولا۔

"ابان مصطفی!!" وہ ہنس کر اسکا نام پکار گئی جان بوجھ کر، کیونکہ وہ جانتی تھی وہ اس کے منہ سے اپنا نام سننا چاہتا ہے۔

وہ سر جھٹک کے قہقہہ لگا کے ہنس دیا۔

"مزہ نہیں آیا۔جب آپ غصے سے میرا نام پکارتی ہیں تو یقین جانیں دل میں ٹھاہ کر کے لگتی ہیں آپ"۔
انگلی سے دل کی جانب اشارہ کیے وہ بہت پیارے انداز میں بولا۔

"اور جب آپ میری مسکراہٹ کے پیچھے چُھپے ہر غم کو بھانپ لیتے ہیں تو یقین جانیں آپ کی عزت میرے دل میں مزید بڑھ جاتی ہے"۔

"میرے لیے اعزاز کی بات ہے ویسے کبھی کبھی تو آپ میری بھی عزت کرجایا کرتی ہیں۔"

"کبھی کبھی آپ کی حرکتیں بھی ناقابل قبول ہوتی ہیں ابان مصطفی"۔

اسکی بات پر وہ سر جھٹک کے قہقہہ لگا کر ہنس دیا، وہ کبھی کبھی یوں کُھل کے مُسکرایا کرتا تھا، اسکی مسکراہٹ تو دلکش تھی ہی لیکن جب وہ یوں ہنستا تھا تو دل اسے مزید ہنستے ہوئے دیکھنے کی خواہش کرتا تھا۔

"انوشے آپ بہت معصوم ہیں"۔وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"یاد رکھیں ابان میری یہی معصومیت بعض مقامات پر آپ کو خاموش کروا دیتی ہے۔"

وہ آنکھیں پٹپٹا کے شرارتاً بولی۔

"اوکے اوکے مادام!!"

اس نے دونوں ہاتھ اوپر کو اٹھا لیے۔

"پیکنگ کرلیں ہم ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جا رہے ہیں۔"

"اسلام آباد!!" اس نے چونک کے ابان کی طرف دیکھا اور ہولے سے بڑبڑائی۔

ابان بہت غور سے انوشے کے چہرے کے اُتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا، اسکی رنگت اسلام آباد کے نام سے پھیکی پڑ چکی تھی۔

"میں چاہتا ہوں میری کمپنی کی نئی برانچ اوپننگ سرمنی پہ آپ اور صائم میرے ساتھ ہوں"۔
وہ بہت غور سے اسے دیکھتے ہوئے بول رہا تھا۔

"ہم آپ کے ساتھ ہیں ،ہم ضرور جائیں گیں۔"
وہ بمشکل چہرے پر مُسکان سجاتے ہوئے بولی۔

ابان نے ایک بھرپور نظر اس پر ڈالی اور سر کو خم دیتے ہوئے مڑ گیا، وہ جانتا تھا انوشے کو کچھ دیر تنہائی کی ضرورت ہے، وہ اسے محسوس کروائے بنا اسکی دلی کیفیت سے باخبر ہو جایا کرتا تھا۔

ابان کے جانے کے بعد اس نے ایک سرد سانس فضا میں خارج کی اور واپس اپنی نگاہیں باہر کے منظر پہ مرکوز کرلیں، لیکن اب اسے وہ نیلا پانی اتنا متاثر کن نہیں لگ رہا تھا، اب اسے وہ منظر دلچسپ نہیں لگ رہا تھا، کچھ تھا جو اسے غیر آرام دہ کر گیا تھا۔

وہ شہر جہاں آباد تھی اسکی دُنیا،

وہ شہر جو اُسکی مسکراہٹوں کا مرکز ہوا کرتا تھا،

وہ شہر جہاں اسکے اپنے ہوا کرتے تھے،

وہ شہر جو اسکے دل کے قریب تھا،

وہ شہر جس نے اسے زندگی کا

بھیانک موڑ دکھلایا تھا،

وہ شہر جس نے انوشے سے

اسکے اپنے چھین لیے تھے،

وہ شہر جس نے انوشے ابراہیم کو ،

ہادی ابراہیم سے جُدا کیا تھا ،

وہ شہر "شہر اسلام آباد "تھا۔

****

وہ پچھلے نو گھنٹوں سے مسلسل ڈرائیو کر رہا تھا، لاہور سے سوات کا سفر تقریباً نو دس گھنٹوں کا تھا، ماتھے پر بل ڈالے، نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے دبائے، وہ خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ گاڑی سوات موٹروے کی خوبصورت سرنگوں میں سے گزر رہی تھی۔

اگر گاڑی کے اندر کے مناظر پر غور کریں تو وہ کچھ اس طرح تھا کہ گاڑی کی پچھلی سیٹوں پر کھانے پینے کا سامان بکھرا پڑا تھا۔ سنیکس، کوک کے ٹِن پیکس ، چاکلیٹس ، فروٹس، اور کافی کے بہت سارے خالی ڈیسپوزیبل کپ ، جو کہ وہ پچھلے نو گھنٹوں میں کئی بار گاڑی رُکوا کے منگوا چکی تھی ،وہ بھی زاویار کے کھاتے سے! اسکے گھورنے پر وہ پورے راستے مزے سے کہتی آئی تھی "آپ کی ذمے داری ہوں اس وقت، اِسے ٹھیک طریقے سے نبھائیے"

اب بھی وہ فرنٹ سیٹ پر اسکے ساتھ بیٹھی پوری طرح ناول میں غرق تھی اور ساتھ ساتھ مزے سے کافی کے سپ لیتی کہی سے نہیں لگتا تھا کہ وہ ایک کیمپ پر جانے والی گاڑی ہے، پورے راستے وہ کتابیں پڑھتی آئی تھی اور اب بھی وہ بیٹھی اپنا اہم فریضہ انجام دے رہی تھی۔ کتاب کا ورق پلٹتے ، کافی کا ایک گھونٹ لیتے اس نے کپ کافی ہولڈر میں رکھنے کے بجائے بے دھیانی میں گیئر کے اوپر پر رکھ دیا۔ کافی کا کپ ان بیلنس ہوا اور ساری کافی گاڑی ڈرائیو کرتے زاویار کے ہاتھ کی پشت پر اُلٹ گئی، یکدم اس نے بلبلا کر بریک پر پاؤں رکھا ، گاڑی ایک جھٹکے سے رُکی ، اچانک بریک لگنے سے زویا کا سر ڈیش بورڈ سے لگتے لگتے بچا تھا، اس نے تلملا کر اپنا سر اٹھایا۔

"ایک نااہل ڈاکٹر ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ایک نااہل ڈرائیور بھی ہیں ڈاکٹر زاویار"۔

"محترمہ آپ ڈاکٹر تو کیا انسان کہلانے کے بھی لائق نہیں ہیں ، میری بات تو آپ کیجیے بھی مت "۔اپنے سرخ ہاتھ کو دیکھتا وہ دانت پیس کے بولا۔

"میں نے کونسی غیر انسانی حرکت کا مظاہر کیا ہے؟ ذرا اپنی بات پر روشنی ڈالیے"۔وہ تپ ہی تو گئی تھی۔

"آپ اپنی حرکت پر روشنی ڈالیے!"
وہ گری ہوئی کافی کے کپ اور اپنے سرخ ہاتھ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

زویا کی نظر میٹ پر گری ہوئی کافی سے ہوتے زاویار کے سرخ ہاتھ کی جانب گئی ، آنکھیں جو غصے سے پہلے سرخ انگارہ تھی ، یہ دیکھتے ہی دنیا جہاں کی معصومیت چہرے پر سمٹ آئی ، اپنی غلطی کا اندازہ اسے شدت سے ہوا تھا لیکن زاویار کے اگلی بات پر اسکا پچھتاوا پل میں ہوا۔

"دراصل آپ کی نہیں ، میری ہی غلطی ہے ، اچھی طرح سے آپ کی خصوصیات ، اور حرکات سے واقف تھا ، پھر بھی آپ کو ساتھ لے آیا۔مجھ سے زیادہ بیوقوف انسان پوری دنیا میں کوئی نہیں ہو گا"۔

"سنیے زاویار احمد یہ میرا بڑا پن ہے ، جو میں آپ کے ساتھ بیٹھ کر آ گئی ہوں ورنہ آپ جیسی خصوصیات اور عادات جن میں پائی جائیں ان کو زویا فیصل منہ تک لگانا نہیں پسند کرتی"۔

"آپ کے اس بڑے پن پر میں تہہ دل سے آپ کا شکر گزار ہوں"۔
اس پر گہرا طنز کرتا وہ گاڑی سے باہر نکلا۔

'خود کو رحم دل سمجھتی ہیں ، مگر مجال ہوں جو میرے ہاتھ پر لگے زخم پر نظر بھی ڈالی ہو ، آئی بڑی رحم دل ڈاکٹر!'

اور کچھ ہی دیر بعد اس نے دیکھا زویا ہاتھ آئنٹمنٹ پکڑے گاڑی سے باہر نکل رہی تھی۔

"میری وجہ سے اگر کسی کا ذرا سا بھی نقصان ہو تو مجھے چین کی نیند نہیں آتی"۔
وہ اسکا سرخ ہاتھ تھامتے ، اس پر آئنٹمنٹ لگاتے ہوئے بولی۔

زاویار نے لبوں پر آتی مسکراہٹ کو بمشکل روکا۔

"کتنی مطلبی ہیں آپ ، ابھی بھی آپ کو اپنی چین کی نیند کی پڑی ہے۔"

اس کے ہاتھ پر نرمی سے کریم لگاتے زویا نے ایک بار پھر غصے سے اپنا سر اٹھایا۔

"جانتے ہیں ڈاکٹر زاویار آپ کسی قسم کی بھی نرمی کے قابل ہی نہیں ہیں، یہ رہی کریم ، یہ رہا ہاتھ ، خود لگاتے پھریئے۔"
اور وہ زویا ہی کیا جو اگلے کی بات ہضم کر جائے ،اور اگر سامنے والا زاویار ہو تو پھر تو بلکل بھی نہیں۔

زاویار نے مسکرا کے اپنے ہاتھ کی جانب دیکھا ، اسے زویا کو زچ کرنے میں مزہ آتا تھا، حیرت کی بات تو یہ تھی وہ ویل آرگنائیزڈ بندہ ، آج اپنی گاڑی کی تباہ کن حالت دیکھ کر بھی غصے میں نہیں آیا، اگر جو ہادی اور مانم اسے یوں دیکھ لیتے تو یقیناً اسکی کلاس لگاتے۔
اسے یوں ہی ہادی یاد آیا تھا نجانے کیوں۔۔

اپنے خیالات کو جھٹکتے وہ گاڑی میں بیٹھ گیا ، اور گاڑی ایک بار پھر اپنے سفر پر گامزن ہو گئ۔

گاڑی اب خوبصورت سڑکوں پر گامزن تھی ، آس پاس گھنے درخت جو برف سے ڈھکے ہوئے تھے ، روڈ کے کنارے پر برف روئی کے گالوں کی طرح پڑی تھی ، اس سارے منظر پر گویا وائٹ شاور کیا گیا تھا ، وہ دل موہ لینے والا منظر تھا۔

****

وہ زاویار اور اپنے مشترکہ اپارٹمنٹ میں موجود چھوٹے سے ٹی وی لاؤنج میں بیٹھا کسی گہری سوچ میں تھا، گیلے کپڑے تبدیل کرکے وہ اب قدرے فریش حُلیے میں موجود تھا،نم بال ہمیشہ کی طرح پیشانی پر لاپرواہی سے بکھرے تھے، نیلی پلین گول گلے والی شرٹ بلیو جینز پہنے، دونوں پیر کینیچی کی صورت ٹیبل پر رکھے، ہاتھ میں گرما گرم کافی کا مگ تھامے جس میں سے وہ وقفے وقفے سے گھونٹ بھر رہا تھا۔
اسکی ہیزل براؤن آنکھوں میں سنجیدگی ہی سنجیدگی تھی۔

"ایک آخری فیور ماہ نور، صرف ایک آخری فیور"

پہلی ملاقات میں جتنی تیزی سے ماہ نور سے شیرنی تک کا سفر طے ہوا تھا ، آخری ملاقات نے اتنی ہی تیزی سے شیرنی سے ماہ نور تک کا سفر طے کروا دیا تھا۔

ہماری ترجیحات کب کیسے بدلتی ہیں، ہمیں معلوم بھی نہیں ہوتا۔

کافی کا گھونٹ اپنے حلق سے اُتارتے وہ دھیرے سے مُسکرایا تھا، جیسے کوئی عزم مل گیا ہو۔

آج اس نے ایک فیصلہ لیا تھا، اپنی ذات کے لیے ایک بہت اہم فیصلہ ، وقت آنے پر وہ اپنے اس فیصلے پر بنا کسی ہچکچاہٹ کہ عمل کر گزرے گا ،چاہے وہ اس کے لیے کتنا ہی تکلیف دہ کیوں نہ ہو!

دونوں پیر ٹیبل سے ہٹاتے وہ سیدھا ہو کے بیٹھ گیا۔کافی کا مگ ٹیبل پر دھرے، اس نے اپنے فون میں موجود کانٹیکٹ لسٹ میں سے ایک نمبر ڈائل کیا۔
بیل جا رہی تھی، تین چار بیلوں کے بعد دوسری جانب سے فون اٹھا لیا گیا تھا۔

"جی " دوسری طرف سے مشینی آواز گونجی تھی۔

ہادی دھیرے سے مُسکرایا تھا کیونکہ اسے یہ بندہ بہت پسند تھا اور اسکی پسند کی بڑی وجہ اسکا روبوٹک انداز تھا۔

"میرا نمبر دیکھ کے غالباً تم مجھے پہچان گئے ہوگے"۔صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتا وہ ریلیکس ہو کے بیٹھ گیا۔

"جی" پھر سے وہی مشینی انداز۔

"ایک شخص کا نمبر اور ایڈریس میں تمہیں واٹس ایپ اور ای میل کر رہا ہوں ،ای میل میں موجود سارا مواد چھپوا کر دیئے گئے ایڈریس پر پوسٹ کرواؤ اور جتنی جلدی ہو سکے اس ایڈریس پر یہ پارسل پہنچا دو اور ہاں اس چیز کو یقینی بناؤ کے پارسل رسیو وہی شخص کرے جس کے نام پر یہ پارسل ہو گا ڈیٹس آل!"

"اوکے"۔اسی مشینی انداز میں کہتا وہ کھٹ سے فون رکھ چکا تھا۔

"کیا یہ شخص ابنارمل ہے؟ یقیناً ابنارمل ہی ہے۔"فون کو دیکھتے ہادی ابراہیم کلس کہ رہ گیا۔

آہ میری بلیک میلنگ سے بنی یہ چھوٹی سی کمیونیٹی مجھے ہی ذلیل کر کے رکھ دیتی ہے،عزت کے لائق ہی نہیں سمجھتے یہ اپنے باس کو ہر کوئی میرا باس بنا پھرتا ہے۔

وہ شخص اور کوئی نہیں دلاور کی کمپنی میں کام کرتا شرجیل تھا، جو ایک وقت میں ابان مصطفی کا مینجر ہوا کرتا تھا، کون جانے اس نے ابان مصطفی کی نوکری چھوڑی بھی تھی یا نہیں؟ لیکن کون جانے؟؟؟ ھیلر جتنی دفعہ دلاور کے سیکیورٹی سے بھرے شاندار آفس میں داخل ہوا تھا، وہ سب شرجیل کی بدولت تھا۔

اسے لوگوں کو بلیک میل کرکے ان سے کام نکلوانا آتا تھا، مس ایل سے کہہ کہ شرجیل کا اگلا پچھلا ڈیٹا نکلوا کے وہ یہ جاننے میں کامیاب ہو چکا تھا کہ شرجیل ابان مصطفی کا ایمپلائی ہے اور وہ کسی مقصد سے دلاور کے گرد موجود ہے اور اسی چیز کو مہرا بناتے وہ اسے بلیک میل کرتا گیا، اسکے نزدیک جاسوسی بلیک میلنگ کے بنا ادھوری تھی۔

****

وہ شیشے کے سامنے کھڑا تھا، بلیک شرٹ کے ساتھ ہم رنگ جینز پہنے، اوپر گرے رنگ کا خوبصورت لانگ کوٹ ڈالے ، پیروں کو وائٹ جاگرز میں مقید کیے ، بال ماتھے پر لاپرواہی سے بکھیرے ، دائیں ہاتھ کی کلائی میں انوشے کی دی گئی خوبصورت ایپل واچ آج بھی اسی چمک سے اسکی کلائی میں چمک رہی تھی ،خود پر پرفیوم کا چھڑکاؤ کرتے وہ اب مکمل تیار کھڑا تھا۔خود پر ایک تسلی بخش نظر دوڑاتے اس نے اپنے چہرے پر سیاہ ماسک چڑھایا، ماتھے پر بکھرے اسکے گھنے سیاہ بال اسکا ماتھا ڈھانپے ہوئے تھے، صرف اسکی ہیزل براؤن آنکھیں دکھائی دیتی تھیں، گاڑی کی کیز اور والٹ اٹھاتا وہ آخری فیور دینے کے لیے نکل پڑا،

کچھ دیر بعد وہ گاڑی ایک ریستوران کے باہر رُکی ، گاڑی سے نکلتے گردن دائیں بائیں موڑتے اسنے ایک تنقیدی نگاہ آس پاس دوڑائی، اسے سب کچھ معمول کے مطابق لگ رہا تھا۔
ایک ٹھنڈی سانس لیتے اسنے اپنے قدم ریستوران کی جانب بڑھائے۔اندر کا ماحول باہر کی نسبت بہت مختلف تھا پورے سائے میں مدھم زرد روشنیاں بکھری ہوئی تھیں، یہ لنچ ٹائم تھا لوگ دیگر قسم کے انواع و اقسام کے کھانوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے، اس نے پورے حال میں نظر دوڑائی، شیشے کی دیوار کے ساتھ لگے ایک ٹیبل پر وہ شخص اکیلا بیٹھا تھا ، جس سے ملنے وہ یہاں آیا تھا۔

ریحان مستقیم !! اسکے مقابل پڑی کرسی کو پیچھے دھکیلتے وہ اسکے مقابل بیٹھ گیا ،گاڑی کی کیز اور والٹ سینٹر ٹیبل پر دھرے ، کُرسی کی پشت سے ٹیک لگائے وہ بہت غور سے سامنے بیٹھے شخص کو دیکھنے لگا۔

اپنے نام کی پکار پر ریحان کا ارتکاز ٹوٹا، اسکے سامنے کوئی شخص بیٹھا تھا جسے وہ غالباً نہیں جانتا تھا، اور وہ اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا ، اسکی پیشانی کے بلوں میں اسے دیکھتے مزید اضافہ ہوا۔

ایک بے خبر تھا تو دوسرا اسکی ہر حرکت سے باخبر تھا۔

"کیا چاہتے ہو؟" سامنے بیٹھے شخص کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں ریحان نے سلسلہ کلام جوڑا، اس بڑی سی شیشے کی دیوار سے روشنی چھن کے اندر آ رہی تھی ، دھوپ کی روشنی میں اس شخص کی ہیزل براؤن آنکھیں مزید چمکنے لگیں۔

جواب ندارد۔

بھورے رنگ کی شلوار قمیض پہنے، بالوں کو نفاست سے ایک جانب کیے، دائیں ہاتھ کی کلائی میں رِسٹ واچ پہنے، کہنیوں تک بازوؤں کو چڑھائے، آنکھوں میں الجھن اور پیشانی پر بل ڈالے وہ اسے گھور رہا تھا جو خاموشی سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

("تم سے اچھا تو ریحان نکلا ھیلر۔")

کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے وہ یک ٹک ریحان کو دیکھ رہا تھا، کانوں میں اسکی آواز گونج رہی تھی۔

("وہ میرا منگیتر ہے ، لیکن آج تک اسنے کبھی میری پرسنل لائف میں گھسنے کی کوشش نہیں کی۔")

ریحان نے دیکھا اسکی آنکھیں چھوٹی ہوئی تھیں،شاید وہ مُسکرایا تھا، لیکن وہ ٹھیک سے اندازہ نہیں لگا سکا۔

("آج تک اس نے کبھی میری کھوج نہیں لگائی، آج تک اس نے کبھی میرے تعلقات کو نہیں کھنگالا حالانکہ وہ حق رکھتا تھا"۔)

اس کی آنکھیں مزید چھوٹی ہوئیں ،اسکی آنکھوں میں کچھ تو تھا جس پر ریحان مستقیم بھی ٹھٹھکنے پر مجبور ہوگیا ،وہ تھی اسکی آنکھوں کی بڑھتی ہوئی سرخی۔

"کون ہو تم؟ وہ پارسل تم نے میرے گھر ڈیلیور کیا تھا؟"

آج صبح ہی ریحان کو ایک پارسل موصول ہوا تھا۔اسکے گھر کے ملازم نے کوریئر والے سے پارسل موصول کرنا چاہا لیکن اسے شاید خاص تنقید کے ساتھ بھیجا گیا تھا کہ پارسل ڈیلیور اسی شخص کو ہوگا جس کے نام پر وہ پارسل تھا، پارسل رسیو کرتے اور اسے کھولنے کے بعد ریحان مستقیم کو اپنے چہرے کا رنگ اڑتا ہوا محسوس ہوا تھا۔
اس میں اسکی اور ماہ نور کی تائی کی تصاویر اور کیسٹ تھی جو غالباً اسکی اور تائی کے بیٹے کی تھیں۔اس پارسل میں ایک نوٹ بھی موجود تھا جس پر وقت اور ریستوران کا پتہ موجود تھا۔

کرسی کی پشت کو چھوڑتے اپنی دونوں کہنیاں سینٹر ٹیبل پر رکھے، ہاتھوں کو باہم پھنسائے وہ اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"ھیلر۔"یک لفظی جواب۔

اس سے پہلے ریحان کچھ بولتا وہ تیزی سے بولا۔

"ماہ نور سجاد اور اُس کی فیملی کے لیے تم اس وقت کونسا رول پلے کر رہے ہو ؟"
سرخ آنکھیں لیے وہ بے لچک آواز میں بولا۔

"وہ میری منگیتر ہے۔"

وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتا رعب سے بولا۔

"کیسی منگیتر؟ جس سے تمہارا اور اس کی تائی کا مفاد جڑا ہے؟ جسے تم دھوکے میں رکھ کے شادی کرنے والے ہو؟ جس کی بوڑھی ماں سے تم انکی برسوں کی ریاضت چھیننے والے ہو؟"

اسکا لہجہ ، اسکی آواز میں ہڈیاں جما دینے والی ٹھنڈک تھی۔

ریحان کے چہرے پر سایہ سا گزرا ،یہ خیال ہی کہ اِس نے ماہ نور کو دھوکے میں رکھا ہے، فقط یہ خیال ہی اب اِس کیلیۓ وبال جان بن گیا تھا ،وہ کسی قیمت پر اسے کھونا نہیں چاہتا تھا ، اس نے ایک بے چین نگاہ سامنے بیٹھے شخص کے چہرے پر ڈالی۔

وہ ایک نگاہ ھیلر کو بتا گئی تھی وہ ایک نگاہ، ہادی ابراہیم کا دل توڑ گئی تھی ،سامنے بیٹھے شخص کی اس نگاہ میں بے چینی تھی، کھونے کا ڈر تھا، وہ ایک نگاہ اسے ساری کہانی سے آگاہ کر گئی تھی۔

اچانک وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا، ایک بھی لفظ کہے بغیر

اسے دیکھتے ہی ریحان بھی اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

"سنوں تمہیں جو چاہیے وہ میں دینے کو تیار ہوں لیکن وہ سب ماہ نور کو مت بھیجنا، وہ ٹوٹ جائے گی"۔

اس کی آواز میں منت نہ تھی لیکن لہجہ مضبوط تھا۔

ھیلر کی آنکھوں میں ایک زخمی سا تاثر ابھرا تھا۔

"وہ نہیں ٹوٹے گی مسٹر ریحان! وہ تمہاری ہڈیاں توڑ دے گی۔"
بے ساختہ وہ کہہ بیٹھا تھا۔

"وہ لڑکی ہے ،لڑکیاں نازک ہوتیں ہیں وہ ٹوٹ جاتیں ہیں۔"وہ اُچھنبے سے بولا۔

"لڑکیوں سے زیادہ کوئی مضبوط نہیں ہوتا ، اگر وہ ٹوٹ جائیں تو پہلے سے زیادہ طاقتور بن کے اپنے دشمن پر غراتی ہیں۔"
اسکے سامنے مس ایل اور ماہ نور کا چہرہ آیا۔

"وہ تمہیں ایک اچھا شخص سمجھتی ہے، ایک قابل اعتبار شخص!"

ریحان ہونقوں کی طرح اسے دیکھ رہا تھا جو عجیب تھا ، جسے وہ سمجھ نہیں پاہ رہا تھا وہ چاہتا کیا ہے۔

"اسے کبھی دھوکے میں رکھ کے شادی مت کرنا، اپنے رشتے کی شروعات اسے اپنی طرف کا سچ بتا کر کرو، پھر تمہاری زندگی میں سکون کے ساتھ ساتھ وہ خوشی سے شامل ہو گی۔"

ریحان ساکت رہ گیا تھا،اسکے الفاظ معمولی الفاظ نہ تھے وہ بہت گہرے الفاظ تھے ، وہ لڑکی جو اسکے ساتھ ایک حدود قائم کیے ہوئے تھی وہ لڑکی اسے قابل اعتبار اور اچھا شخص سمجھتی تھی؟ اور اسے یہ سب سامنے کھڑے اس اجنبی شخص سے معلوم ہو رہا تھا۔

"تم ماہ نور کو کیسے جانتے ہو؟"

اسکے دل میں ایک خیال ابھرا تھا جو اسے بے چین کر گیا تھا، کیا یہ شخص ماہ نور سے؟ وہ سوچ نہیں سکا۔

وہ بھی ھیلر تھا آنکھوں میں موجود تاثرات کو چھٹکیوں میں بھانپ لینے والا۔

"ایزی مین! میں ایک ہیکر ہوں اور ہیکرز کو سب معلوم ہوتا ہے، اسکے خاندان کا ایک شخص میرا رقیب تھا، اور اسی کی کھوج میں بہت کچھ کھوجتا چلا گیا، سوچا لگیں ہاتھوں اس لڑکی کو ایک فیور دیتا چلوں!"
اسے کہتا وہ گہرا مسکرایا تھا اور دل میں کھلا وہ تازہ پھول مکمل طور پر مُرجھا چکا تھا۔

اسکی آنکھیں اور باتیں ایک دوسرے کا ساتھ نہیں دے رہیں تھیں، وہ ضبط کی انتہا پہ تھا۔

"ہیکر؟" ریحان نے تصدیق چاہی۔

"ہوں... ہیکر!"

اگر جو مس ایل اسے یہ کہتے سن لیتیں تو اس وقت وہ کچھ سخت سست سنا رہیں ہوتیں۔

ایک لفظ بھی مزید کہے وہ جانے کے لیے مُڑ گیا، اسنے جو کہنا تو وہ نہ کہہ سکا، وہ جوڑ کر رکھنے والوں میں سے تھا نہ کہ توڑنے والوں میں سے۔
اسے آج بہت کام تھے، اسے ابھی مس ایل سے ملنے جانا تھا۔

پیچھے کھڑا ریحان عجیب نظروں سے اسکی پشت کو گھورتا رہ گیا۔

****

وہ تینوں اس وقت ابان کی نئی برانچ اوپننگ سرمنی میں موجود تھے۔لاہور سے اسلام آباد آنے والی پہلی فلائیٹ سے وہ صبح ہی یہاں پہنچ چکے تھے۔اس وقت ابان مصطفی ایک بڑے سے حال میں موجود روسٹرم پر مسکرا کے کھڑا تھا۔بلیک تھری پیس میں ملبوس ہاتھ میں بیش قیمتی گھڑی، سر پر سلیقے سے ایک طرف سیٹ کیے بال، کالے بوٹ جو کسی شیشے کی طرح چمکتے ، وہ اپنی سحر انگیز، پراسرار شخصیت لیے روسٹرم پر کھڑا تھا۔ہال میں گول میز کے گرد کرسیاں لگیں تھیں جن پر کمپنی میں میرٹ پر تعینات کیے گئے نئے ایمپلائز موجود تھے، انھی میں سے ایک میز پر انوشے اور صائم بیٹھے آنکھوں میں فخر لیے اسے دیکھ رہے تھے۔

انوشے ڈیسنٹ سی نیوی بلیو ساڑھی میں ملبوس تھی ، بالوں کو لُوز کرلز ڈالے، گلے میں بیش قیمتی ڈائمنڈ کا ہار پہنے، انگلیوں میں نازک سی گولڈ کی انگوٹھیاں ڈالے، سیاہ آنکھوں میں سامنے کھڑے شخص کے لیے فخر لیے وہ پورے دل و جان سے اسی کی جانب متوجہ تھی۔
ساتھ والی چیئر پر صائم موجود تھا۔وہ آج بلکل اپنے باپ کا پرتو لگ رہا تھا۔ابان کی طرح کا بلیک تھری پیس سوٹ پہنے، سفید شرٹ سے جھلکتی چھوٹی سی ٹائی ، ایک ہاتھ میں کالی رِسٹ واچ پہنے، بالوں کو سلیقے سے ایک طرف کیے (جو کہ انوشے نے لاکھ جتن کے بعد بنائے تھے کہ وہ بال لاپرواہی سے

ماتھے پر گرانے والا بچہ تھا) بڑی بڑی گول مٹول آنکھوں سے وہ اپنے باپ کو دیکھ رہا تھا جو شاید کچھ کہنے کے لیے مائیک سیٹ کر رہا تھا۔

"اسلامُ علیکم ایوری ون!" دھیمی سی مسکان چہرے پر سجائے وہ سکون سے بولا۔

"وعلیکم اسلام۔"حال میں سب کا مشترکہ جواب گونجا۔

"سلام کے بعد اگر کسی کو لگ رہا ہے کہ مجھے یہاں 'ہیلو ایوری ون / گڈ ایوننگ ایوری ون' جیسے الفاظ کا استعمال کرنا چاہیے تھا تو یہ ان لوگوں کے لیے۔
.Hello everyone! Hope you all are good
ہمارے کلچر میں آج کل لوگ انگلش بولے بغیر سانس نہیں لیتے۔"
ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولتا وہ بہت منفرد لگتا تھا۔

حال میں سب کی ہلکی سی کھکھلاہٹ گونجی۔

"میرا نام ابان مصطفی ہے، مصطفی انڈسٹریز کا اونر ،میں کوئی بہت بڑا آدمی نہیں ہوں، میں آپ کا باس ضرور ہوں لیکن آپ ہی کی طرح ایک عام انسان ہوں۔دولت کسی بھی انسان کی بلندی اور پستی کا

فیصلہ نہیں کرتی۔میری پہلی ترجیح ہمیشہ سے عزت بنانا رہی ہے۔اگر آپ کے پاس عزت ہے تو سمجھے آپ کے پاس سب کچھ ہے، سب کچھ !عزت سے ہی انسان بلند ہوتا ہے، دولت سے نہیں۔مجھے صرف آپ سب سے دو چیزیں درکار ہیں ...

ایمانداری اور سپورٹ!

میں سختی کا قائل نہیں ہوں لیکن اگر کوئی میری مقرر کی گئی حدود کو پھلانگے تو میں مارجن نہیں دیا کرتا۔"

"مام واٹ از مارجن؟ ڈیڈ مینز مارجن لائن؟"

باپ کی تقریر کو بہت غور سے سنتے صائم نے لفظ 'مارجن' پر اپنی بڑی بڑی گول مٹول آنکھیں انوشہ کی طرف وا کیں۔

اس کے اتنے غور سے سننے اور ری ایکٹ کرنے پر انوشے نے بمشکل اپنا قہقہہ ضبط کیا۔ایک تو وہ سوال پوچھتے اتنا معصوم اور پیارا لگتا تھا، مانو دل اسکے گال کھینچنے پر مجبور کر دیا کرتا تھا۔

اب بھی وہ اسکے گالوں کو پیار سے کھینچتی مُسکرا کے بولی۔

"جب آپ کو ایک چیز سے منع کیا جاتا ہے صائم اور آپ منع کرنے کے باوجود وہ عمل دہرائیں اور آپ کو اس عمل پر معافی مل جائے، اسے مارجن کہتے ہیں۔"
وہ اسکی عقل کے مطابق اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔

"اونہوں مام!! اس کو 'مارجن' نہیں 'forgiveness' کہتے ہیں۔"
وہ ناسمجھی سے باپ کو دیکھتا بہت سوچ کر بول رہا تھا۔

وہ اسکے انداز پر دھیرے سے مسکرا کے بولی "فارگیونیس کا دوسرا مطلب مارجن ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟ ایک معنی کے دو دو الفاظ کیوں؟" اس نے آنکھیں پھیلائی تھیں۔

"صائم!" انوشے نے اسے گھورا تھا۔

اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے سر پر پھیرتے بال ماتھے پر گرائے اور آنکھیں گھما کر پھر سے باپ کی جانب متوجہ ہوگیا۔
(انوشے تاسف اور اداسی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔اسکے ایسا کرنے سے اسے وہ یاد آتا تھا جو اب اسکی زندگی میں کہیں نہیں تھا۔دل نے سوال اٹھایا تھا 'کیا ہادی بھائی ٹھیک ہیں؟')

ابان کی تقریر ابھی بھی جاری تھی لیکن یہ شہر اس پر اداسی طاری کر گیا تھا۔

****

میں نے زندگی سے کسی کو نہیں نکالا

سب اعتبار کے حادثے میں مارے گئے

دن ڈھل گیا، مؤذن کو عشاء کی اذان دیئے ابھی کچھ ہی پل بیتے تھے، بیر کا درخت اپنی پوری آب و تاب سے کھڑا تھا،اس کے ساتھ لٹکتا جھولا ہلکی ہلکی میٹھی سی ہوا سے جھول رہا تھا، سارا محلہ اس وقت گہری تاریکی میں ڈوبا تھا، رفعت کے گھر کے کچن میں جلتی موم بتی نے ہر چیز پر زردی مائل سا رنگ چڑھا دیا تھا ،کچن سے باہر جھانکوں تو برآمدے کی دیوار کے ساتھ لگے تخت پر رفعت چہرے کر گرد دوپٹہ لپیٹے اپنے سامنے پڑے کبابوں کے مکسچر میں سے کباب بنا بنا کر ٹرے میں جما رہی تھیں۔

ذرا سی گردن ترچھی کر کے دیکھو تو یہاں سے اس کی کمر اور بائیاں حصہ نظر آتا، رفعت کی طرح ہی چہرے کے گرد دوپٹہ لپیٹے ہوئے جائے نماز پر ہاتھوں کو بلند کیے سر کو جھکائے بیٹھی تھی، سر کو سیدھا کرو اور نظریں تھوڑی سی اوپر کو اٹھاؤ تو آسمان بھی گہرے سیاہ رنگ پر تاروں کو سجائے خاموشی سے

اسے آسمانوں کے پار ہم کلام ہوتے تک رہا تھا، دھیرے دھیرے سے ہلتے لب ساکت ہوئے تو اس نے چہرے پر ہاتھوں کو پھیرتے ہر جانب سلامتی بکھیر دی تو یک دم جھماکے سے برآمدے اور کچن کی بتیاں جل اٹھی، لائٹ آ گئی تھی۔

"شکر ہے یہ لائٹ آ گئی مجھے تو لگ رہا تھا آج ہماری رات یونہی گزرے گی"۔عصر کے وقت ان کے علاقے کا ٹرانسفارمر اڑ گیا تھا۔مغرب کے بعد جا کر کہیں ٹھیک کرنے آئے تو اب عشاء کے بعد لائٹ آئی ، ماہ نور کو برآمدے کی جانب آتا دیکھ کر رفعت نے تبصرہ کرتے ہاتھ میں پکڑا آخری کباب ٹرے میں رکھا اور ہاتھوں میں ٹرے تھامے کچن کی جانب بڑھیں۔
جس دن سے وہ ھیلر سے مل کر آئی اس کی طبیعت ذرا بوجھل سی تھی۔شاید اعتبار، یقین، مان نا جانے کیا تھا جس کے ٹوٹنے کا بوجھ بہت بھاری تھا ، لیکن کیا وہ اس پر یقین کرتی تھی؟' (کسی نے دل کے گہرے ، بہت گہرے تہہ خانے سے ہانک لگائی)

("تم خود بھی نہیں جانتی کے تمہیں مجھ پر کتنا یقین ہے") کسی کا پُر اعتماد لہجہ اس کے کان میں گونجا ، تو اس نے گہرہ سانس لیا۔
'تو کیا اس نے جو کہا تھا وہ سچ تھا؟' اسے اپنا دل ایک دم سے ہر چیز سے اُچاٹ ہوتا نظر آیا۔

'کیا ریحان اسے دھوکا دے رہا تھا؟' اففففف!! اففففف!!! وہ خود سے اتنے مشکل سوال کیوں پوچھ رہی تھی۔

اس کے دل نے یک دم اس کے سوال پر نفی کی تھی۔
'نہیں ریحان مستقیم اسے دھوکہ نہیں دے سکتا۔'اس نے خود کو تسلی دی تھی۔

'تو پھر اس نے کیوں میرے دل میں شک کا بیج بویا؟ کیا کچھ ہے جو میری نظروں سے اوجھل ہے؟ شاید ہاں!!'

ہاتھ میں جائے نماز پکڑے وہ غائب دماغی سے اپنے کمرے کی جانب قدم بڑھانے لگی ،سب سے پہلے تو اسے بیٹھ کر چیزوں کو از سرِ نو ترتیب سے سوچنا ہو گا۔

"ماہ نور میں روٹیاں ڈالنے لگی ہوں، آ جاؤ کباب تل لو۔"

رفعت کی آواز آئی تو جائے نماز کو رکھ کر ساری سوچوں کو جھٹکا اور دوپٹے کی تہیں کھولتی کچن کی جانب بڑھ گئی۔

کھانے کے دوران اس کے پاس رفعت کے ساتھ کرنے کو ڈھیر ساری باتیں تھیں ، وہ بھی مسکرا کر ہر بات کا جواب دیتی رہی۔شادی کی باتیں، کپڑوں کے متعلق باتیں، گھر کے رینوویشن کے متعلق باتیں ، آسان لفظوں میں اس کی اماں خوش تھیں ،وہ اپنی بیٹی کا فرض ادا کرنے جا رہی ہیں۔کھانے سے فارغ ہونے کے بعد اس نے برتن اٹھائے اور پھر اپنے کمرے میں آئی اور ایک کونے میں پڑے کمپیوٹر کو آن کیا اور آگے بڑھ کر دیوار کے ساتھ جُڑی اپنی الماری کا پٹ کھول کر ایک فائل نکالی واپس کرسی کھینچتے کمپیوٹر کے سامنے آ بیٹھی۔رفعت ساتھ والے کمرے میں عشاء کی نماز کی نیت باندھے ہوئے تھی۔اس نے تھوڑی دیر آفس کا کام کیا، پھر بے دلی سے پیچھے ہو بیٹھی انگلیوں کو باہم پھنسا کر کڑاکے نکالے پھر گھنے بالوں کو کیچر سے آزاد کیا تو بل کھاتے بال کمر پر بکھر گئے۔

اس نے آنکھوں کو چھوٹا کیا تو کچھ یاد آیا تھا اسے اور پھر چند بٹن دبائے تو اس کے سامنے اپنا میل باکس کھل گیا۔

چند نئ میلز آئی ہوئی تھیں ، پھر وہ نیچے کرتی گئ تو ایک جگہ ٹھہر گئی ، یہ میل اسے چند ہفتے پہلے موصول ہوئی تھی لیکن اس نے ابھی تک کھول کر چیک نہیں کی تھی۔نا جانے کس نے بھیجی تھی ، اس نے اسے کھولا تو سامنے ایک ویڈیو کی فائل اٹیچ تھی۔اس نے فائل کھولی پھر ویڈیو پر پریس کیا تو وہ چل پڑی۔شناسا چہرہ دیکھ کر وہ یک دم سیدھی ہو کر بیٹھی، سانس روکے، پھٹی ہوئی آنکھوں سے

ٹکر ٹکر اسکرین کو تکتے ہوئے، کمرے کی ہر چیز گویا ساکن ہو گئی تھی، اس کے چہرے کا رنگ سفید پڑ رہا تھا، پھر اسے سانس لیے میں دشواری ہونے لگی۔

"آہ یہ سب۔۔۔یا میرے خدایا !!! "

جب اس سے مزید نا دیکھی گئی تو اس نے ویڈیو بند کر دی اور کمپیوٹر کو جلدی سے بند کیا اور وہ اپنے بستر میں گھس گئی دل ابھی تک معمول سے ہٹ کر دھڑک رہا تھا، جیسے اپنے دیکھے پر یقین ہی نا آ رہا ہو، اب وہ چھت کو تکتے کسی گہری سوچ میں گم تھی۔۔۔

نا جانے کیا ہونے والا تھا؟

نا جانے وہ کیا کرے گی اب؟

خدا جانے کہانی کس جانب موڑ کاٹنے والی تھی؟

****

وہ دوپہر کا وقت تھا، جب مس ایل اپنے گھر کے پورچ میں کھڑی ھیلر کا انتظار کر رہیں تھیں، انہیں کچھ دیر پہلے ہی اسکی کال موصول ہوئی تھی، انہیں ریڈی ہونے کا کہہ کر اس نے عجلت میں فون رکھ دیا جیسے اسے کہیں جانے کی جلدی ہو۔

"مس ایل میں دس منٹ میں آپ کی طرف پہنچ رہا ہوں جلدی سے تیار ہو جائیں ہمیں کہیں جانا ہے"۔

وہ ارے ارے کہتی رہ گئیں لیکن وہ حکم سنا کے کال کاٹ چکا تھا۔

وہ اپنے اسی مخصوص حُلیے میں تیار تھیں، بلیک ہڈ سر پر گرائے، بلیک جینز وائٹ جاگرز، چہرے پر سیاہ ماسک اور کندھے پر اپنا سفری بیگ لٹکائے وہ یوں تیار تھیں جیسے کسی مشن پہ جا رہیں ہوں، اسنے بتایا ہی کچھ اس طرح سے تھا، وہ بے چینی سے پورچ میں ٹہل رہیں تھیں۔
دفعتاً انہیں باہر گاڑی کے ہارن کی آواز سنائی دی، یقیناً وہ پہنچ چکا تھا۔انہوں نے جلدی سے آگے بڑھ کے گھر کا گیٹ کھولا، اسکی سیاہ ہیلکس پورچ میں داخل ہو رہی تھی، گاڑی لگاتے وہ اپنے لانگ کوٹ کو جھٹکا دیتے شان سے باہر نکلا۔

وہ اسی حلیے میں موجود تھا جس حلیے میں کچھ دیر پہلے ریحان کے ساتھ موجود تھا، فرق صرف اتنا تھا اب اس کے چہرے سے اس کا ماسک ندارد تھا اور ہیزل براؤن آنکھوں پر سیاہ چشمہ تھا۔
مس ایل ہونقوں کی طرح اسے دیکھ رہی تھیں جو اچھا خاصا تیار ہوا تھا، یوں جیسے کسی کے ولیمے پر جا رہا ہو۔

انہوں نے زندگی میں پہلی بار ہادی ابراہیم کو اس حُلیے میں دیکھا ، انہوں نے اتنے سالوں میں اس کو کبھی اس طرح نہیں دیکھا تھا، وہ یا تو ہمیشہ بلیک ہڈ میں ہوتا تھا یا شرٹس میں، لیکن یوں کبھی نہیں، وہ بلاشبہ بہت ڈیشنگ لگ رہا تھا۔

"Good afternoon my old lady"

ان کے مقابل کھڑا وہ مسکرا کے بولا تھا، مسکرانے سے اس کے دائیں گال میں بلکل ہلکا سا ڈمپل پڑتا تھا، وہ آج پہلی بار اسکا ڈمپل دیکھ رہی تھیں۔

"ڈونٹ ٹیل می ھیلر!! کہی تم مجھے اپنی ماں کا درجہ دے کر، میرے ساتھ اپنا رشتہ مانگنے تو نہیں لے جا رہے؟"

وہ اسے سر تا پیر دیکھتیں بے حد سنجیدگی سے بولیں۔

انکی بات پر وہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا، کتنی کھوکھلی ہنسی تھی اس کی یہ صرف وہی جانتا تھا۔

"میرا رشتہ ، آہ مس ایل آہ! جب میرا رشتہ جائے گا تو آپ کو کیا لگتا ہے؟ میں یوں تیار ہو کے جاؤں گا؟ کبھی نہیں!"

"کیوں تب دھوتی سلواؤ گے؟"

وہ بھی تنک کے بولیں۔

"دھوتی پہننے میں کونسی قباحت؟"

تپانے میں اس کا کوئی ثانی نہ تھا۔

"احمق ، گدھا ، اُلو کا۔۔۔۔۔"

"پٹھا، گھٹیا آدمی، فضول آدمی، کہہ دیں کہہ دیں آج ہی کے دن سب کچھ کہہ ڈالیں، نجانے پھر موقع ملے یا نہ ملے۔"

وہ ہلکا سا مسکرا کہ آنکھوں میں ایک الگ تاثر لیے بولا۔

"شٹ اپ! احمق نہ ہو تو!! ہر وقت ہوائی گھوڑے پر سوار ہونے کی عادت ہے تمہیں، آرام سے نہیں بتا سکتے تھے؟ جانتے بھی ہو میں کس قدر پریشان ہوگئ تھی؟"
کندھے پر لٹکا سفری بیگ دور اچھالتے وہ اس پر برس پڑیں۔

آج تو ان کے کسی طنز کا اس پر کوئی اثر نہ ہو رہا تھا، دھیمی سی مسکراہٹ چہرے پر سجائے وہ انکے خفا خفا چہرے کو دیکھتا رہا۔

"ریلیکس اولڈ لیڈی ریلیکس! کافی کا نہیں پوچھیں گیں؟"
انہیں روکتا وہ بے حد نرمی سے بولا تھا۔

مس ایل گہرا مسکرائی تھیں اور یہ صرف وہیں جانتیں تھیں وہ کیوں مسکرائی تھیں۔

"ہاں شیور! کیوں نہیں چلو اندر چلتے ہیں"

اسے لیے وہ اندر آ گئیں۔وہ ابھی صوفے پر بیٹھا ہی تھا کہ وہ جھٹ سے کافی اسکے سامنے لے آئیں۔

وہ حیران کن نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا 'اتنی جلدی بن بھی گئی؟'
حیران ہوتے اس نے انکے ہاتھ سے کافی کا مگ تھاما جس میں سے نہ بھانپ نکل رہی تھی نہ وہ مگ گرم تھا۔

اس نے کافی کا ایک سپ لگایا ،ایک سپ لگاتے ہی اسے اچھوکا لگا تھا۔
(وہ باسی اور ٹھنڈی کافی تھی جو شاید اسکی کال سے قبل مس ایل اپنے لیے بنا رہی تھیں۔)

"یہ کیا تھا مس ایل؟ باسی کافی!!! کوئی گھر آئے مہمان کے ساتھ بھی اس طرح کرتا ہے کیا؟"

خفگی سے کہتے اس نے سینٹر ٹیبل پر مگ رکھا اور ٹِشو باکس سے ٹِشو پیپر نکالتے اپنے ہونٹ صاف کیے۔

"کیوں ھیلر بے؟ اس کافی کو کیا ہے؟ آخر ایسی مہمان نوازی میں نے تم سے ہی تو سیکھی تھی!"

چہرے پر تپا دینے والی مسکراہٹ لیے وہ اسکے مقابل ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھ گئیں۔

اور وہ اپنی اور انکی پہلی ملاقات یاد کرکے قہقہہ لگا کے ہنس دیا۔

اور وہ ہنستا ہی چلا گیا، مسلسل ہنسنے سے اسکی آنکھوں میں آنسو آگ ئے، کون جانے وہ آنسو خوشی کے تھے یا پہلی ملاقات سے آخری ملاقات کی تکلیف کے تھے۔

مس ایل نے دیکھا اس کی آنکھیں ہلکی ہلکی سرخ ہو رہی تھیں۔

"یعنی کے آپ کو ابھی تک اپنے ہاٹ چاکلیٹ ، اور باسی چائے کا غم کھاتا ہے؟" کچھ دیر بعد وہ سنبھل کر بولا۔

"پہلی ملاقات ذہن پر نقش ہو جایا کرتی ہیں ھیلر بے۔"وہ مسکرا رہی تھیں۔

"اور آخری بھی!"

وہ ٹیبل کے کونے کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔

"بلکل" انہوں نے مسکرا کے اسکی تائید کی۔

کافی دیر بیٹھا وہ انکے ساتھ باتیں کرتا رہا یہاں تک کے گھڑی شام کے چھ بجا چکی تھی، گھڑی کو دیکھتے وہ اپنی نشست سے اٹھا، آج وہ اتنا روبوٹک کیوں لگ رہا تھا ؟

"Old lady! Now it's time to go back home"

اس نے اٹھ کر انہیں نرمی سے گلے لگایا، انکے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے کر کہنے لگا۔

"میں چلتا ہوں اپنا خیال رکھیئے گا،خود کو انگنت سوچوں سے مت تھکایئے گا، جانے والے واپس نہیں آیا کرتے اور اگر آ جائیں تو کسی معجزے سے کم نہیں! "
وہ یہ کہتے مس ایل کو پریشان کر گیا تھا، کیا وہ انہیں مہر کی جانب سے تسلی دے رہا تھا؟ وہ سمجھ نہ سکی۔

مس ایل کو کچھ تو کھٹکا تھا، وہ پہلی بار سیدھے طریقے سے ان کے گھر میں گھسا تھا ، اور پہلی ہی بار خاموشی سے گیا تھا نجانے کیوں انکا دل گھبرانے لگا۔

واپس اپارٹمنٹ میں آتے وہ رات کافی دیر لیپ ٹاپ پر کچھ ٹائپ کرتا رہا تھا ،کچھ ادھورے پیغامات اور فائلز جو اسے کسی کو سینڈ کرنی تھیں،
سارے ادھورے کاموں کو پورا کر کے وہ اپنا سامان باندھنے لگا،وہ جا رہا تھا، ہاں وہ سب کی زندگیوں سے جا رہا تھا، بیگ پیک کرنے کے بعد وہ اپنے لیے کچن میں چائے بنانے آیا تھا، کیبنٹ کھول کے اس نے چینی کا ڈبہ نکالا، قہوے میں چینی ڈالتے ہوئے اسکے کان میں اپنی ہی آواز گونجی

"زاوی ایک کپ... "

"ایک کپ زہر نہ دے دوں؟"

"تو نے کسی دن واقعی مر جانا ہے میرے ہاتھ۔"

"آج ناشتے میں ایک پراٹھا ، آملیٹ اور ایک کپ چائے لوں گا۔"

"میں کوئی تیرا ملازم نہیں ہوں جس سے تو ایسا فرمائشی پروگرام چلوا رہا ہے۔"

"ہادی ابراہیم اگر یہ اگلے پانچ منٹ میں مجھے میرے آفس میں نہ ملی تو، آپ بھی انکے ساتھ گھر تشریف لے جاسکتے ہیں۔"

"ہادی اٹھ دیکھ مجھے دیر نہیں ہوئی ، میں پورے دس منٹ میں تیرے پاس موجود ہوں آنکھیں کھول یار۔"

(زاویار کی جنھجھلاتی، رعب دار، پریشان، محبت بھری، غرض ہر یاد اسکے ذہن کے پردے پر لہرا رہی تھی)

"کیا اندر زیادہ خطرناک صورت حال ہے ؟" زویا کی پریشان آواز اسکے کانوں میں گونجی۔

اس نے تھک کر ہوا میں ایک تھکی ہوئی سانس خارج کی۔چائے بنانے کا ارادہ ترک کرتے وہ جانے کے لیے مڑ گیا۔اسے سب رشتے یاد تھے سب ، زاویار ، زویا ، مس ایل ، انوشے ، اور وہ لڑکی بھی !

یادیں بری طرح ہادی ابراہیم پر حاوی ہوا کرتیں تھیں اور وہ ہمیشہ یادوں سے یونہی فرار حاصل کیا کرتا تھا، فرار ہو کے۔

****

اسلام آباد کے ایک پر تعیش ہوٹل میں وہ رُکے ہوئے تھے، اپنی تقریر کے اختتام کے بعد وہ ہوٹل کے لیے روانہ ہوگئے تھے ، پورے راستے اس نے انوشے کی خاموشی محسوس کی تھی ، لیکن اس سے پوچھا نہیں ، کیونکہ وہ ان لوگوں میں سے تھا ، جو دلوں کے حال چہروں سے ہی پڑھ لیا کرتے تھے ، وہ جانتا تھا انوشے ڈسٹربڈ ہے ، اور اس کی سب سے بڑی وجہ وہ شہر تھا جس میں وہ اس وقت موجود تھے۔

اب بھی وہ ڈریسنگ ٹیبل پر بیٹھی بے توجہی سے ہاتھوں میں موجود کنگن اتار رہی تھی، وہ افسردہ تھی ، اسکا دھیان کہی دور ، بہت دور تھا !
صائم تو آتے ہی انہی کپڑوں میں بیڈ پر آرے ترچھے ہو کے سو گیا تھا ، البتہ بیڈ پر بیٹھا ابان اسکی ایک ایک حرکت کو خاموشی سے نوٹ کر رہا تھا۔

"انوش سو جائیں"۔وہی بیٹھے وہ نرمی سے بولا۔

"نہیں ابان ، آج میں سونا نہیں چاہتی ، آج میں ان یادوں کا سامنا کرنا چاہتی ہوں"۔

"وہ یادیں تکلیف دہ ہیں"۔

"یادیں تو ہوتیں ہی تکلیف دہ ہیں"۔

"انوشے "

"اونہوں ابان آپ نے مجھے یہاں لا کے کوئی غلطی نہیں کی ، یہ میرا شہر ہے ، یہاں میرا بچپن ، میرا گزرا کل ہے ، جہاں میرے اپنے تھے ، میں اس شہر سے نفرت نہیں کرتی ، کر ہی نہیں سکتی ، مجھے تو بس اُس ایک شخص سے نفرت ہے ، جس نے مجھ سے میرا شہر ، میری زندگی چھینی تھی "

"اگر وہی شخص تمہیں ڈھونڈ رہا ہو؟"

"وہ مجھے کبھی نہیں ڈھونڈیں گیں ابان ، کبھی نہیں ، وہ صرف بھول سکتے ہیں ، انہیں تو میں یاد بھی نہیں ہوں گی"۔

"انوشے آپ " ابان نے فکرمندی سے کچھ کہنا چاہا۔

"آپ بے فکری سے سوجائیں ، میں ٹھیک ہوں ، میں خود کو حالات کے حوالے کر کے ان یادوں میں جانا چاہتی ہوں جنہیں کئ سالوں سے میں دفن کیے ہوئے ہوں ، آپ سوجائیں ، مجھے کچھ دیر اس لڑکی سے مل لینے دیں جس کا نام "انوشے ابراہیم " تھا۔

ابان جان گیا تھا ، وہ آج نہیں سُنے گی ، آج کچھ بھی ہوجائے وہ نہیں سُنے گی ، اور اسنے مزید اصرار بھی نہ کیا ، اسے اللہ کی امان میں دیتے ، صائم کے ساتھ بیڈ پر لیٹے وہ آنکھوں پر بازو رکھ گیا۔

اور وہ اداس آنکھیں لیے ڈریسنگ ٹیبل سے اُٹھتی ، کھڑکی کے پاس آکے بیٹھتی افق پر پھیلے چاند کو دیکھتے ہی دیکھتے ماضی کی دردناک یادوں کو چھاننے نکل پڑی۔۔

شہر تھا اسلام آباد ، وقت تھا دوپہر کا۔
گھڑی دوپہر کے ۳ بجا چکی تھی

لیکن ہادی نہیں آیا تھا۔وہ اٹھارہ سالہ گندمی رنگت کی معصوم سی لڑکی کندھے پر بیگ لٹکائے، بے چینی سے ہادی کا انتظار کر رہی تھی ، چُھٹی ہوئے کافی وقت بیت چُکا تھا، باقی کے تمام طلبہ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ چکے تھے، اگر کوئی نہیں لوٹا تھا تو وہ تھی ہزار لڑکیوں میں تنہا رہ جانے والی انوشے ابراہیم تھی،ابھی وہ کالج کے گیٹ کے اندر کھڑی پریشانی سے بار بار ہادی کو کال ملا رہی تھی، اسکی معصوم سی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں موٹے موٹے آنسوؤں کے قطرے چمکنے لگنے تھے۔

"بھول گئے، پھر سے بھول گئے،اب کبھی بھی آپ سے بات نہیں کروں گی۔"
آنکھوں سے بے دردی سے آنسو صاف کرتی لڑکی کو کوئی اس وقت دیکھتا تو اس پر ترس کھانے کو جی چاہتا۔
نجانے کب سے وہ پیاسی ، بھوکی ، دھوپ کی شدت سے لال چہرہ لیے کھڑی اس کا انتظار کر رہی تھی، اسے پیاس لگ رہی تھی ، اسکا گلا خشک ہو رہا تھا،کالج کے مین گیٹ پر تالے لگ چکے تھے، وہ اپنی خالی بوتل ہاتھ میں لیے کندھے پر بیگ لٹکائے، ایک ہاتھ کا چھجہ بنائے خود کو دھوپ سے بچانے کی کوشش میں نالاں تھی۔

گیٹ پر کھڑا چوکیدار ایک بیزار سی نظر کلائی میں ڈالی گھڑی پر ڈالتے اسکی جانب آیا۔

"بی بی تمہارے گھر والوں کا ارادہ بھی ہے تمہیں لے جانے کا یا نہیں؟" وہ کوئی تیسری سے چوتھی بار پوچھ رہا تھا۔

"م۔۔میں کال کر رہی ہوں، لیکن وہ نہیں اٹھا رہے۔آپ پلیز تھوڑی دیر اور انتظار کر لیجیئے، وہ آ جائے گے"۔

اپنے ہاتھوں کو بے چینی سے مسلتے وہ منت کرتے ہوئے بولی۔

"دیکھو بی بی پچھلے تین گھنٹے سے تم مسلسل یہی بول رہا ہے، ہمارا ڈیوٹی ٹائم کب کا ختم ہو چکا ہے، ہمیں گیٹ کو تالا مارنا ہے، تم باہر کھڑی ہو کے انتظار کر لو اپنے بھائی کا جس کا تم پچھلے گھنٹے سے انتظار کر رہا ہے۔"

"دیکھیں میں باہر کیسے انتظار کرو؟"

"یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہمیں بھی گھر جانا ہے ،سارا دن یہی بیٹھ کر ڈیوٹی نہیں دے سکتا ہم۔"

کوفت سے کہتے چوکیدار نے اسے باہر جانے کا اشارہ کیا۔

"میرا بھائی لیٹ ضرور ہے ، لیکن مجھے یقین ہے وہ کچھ دیر میں آ جائے گے وہ بھولنے کے بعد اکثر میرے پیچھے مجھے منانے پریشانی سے آیا کرتے ہیں، آپ پلیز تھوڑی دیر اور انتظار کر لیں"۔اس کی موٹی موٹی آنکھوں سے آنسوؤں گرنے کو بے تاب تھے۔

"نہیں آپ مہربانی فرما کے باہر تشریف رکھیۓ۔"وہ شاید بے حس ہو چکا تھا تبھی ایک معصوم لڑکی کو یوں اس طرح گیٹ سے باہر انتظار کرنے کو حکم صادر کر رہا تھا۔

ایک شبنم کا موتی انوشے ابراہیم کی آنکھوں سے گر کے بے مول ہوا تھا۔وہ رو رہی تھی۔اسکے موٹے موٹے آنسو لڑیوں کی صورت میں اسکے چہرے پر بہہ رہے تھے۔ایک ہاتھ سے بیگ کو مضبوطی سے تھامے، دوسرے ہاتھ میں پانی کی خالی بوتل تھامے ، وہ ڈری سہمی سی لڑکی گیٹ سے باہر آ کے ایک جانب کھڑی ہوگئ۔

چلتی گاڑیوں کا رش ، تیز ہارن کی آوازیں ، تیزی سے گزرتی ٹریفک میں اسکا معصوم دل ہولے ہولے لرز رہا تھا، وہ کبھی یوں اکیلے باہر کی دُنیا سے متعارف نہیں ہوئی،وہ ڈر رہی تھی ، وہ حد سے زیادہ خوفزدہ تھی۔چوکیدار بھی باہر کے گیٹ کو تالا لگاتے ایک نظر اس ڈری سہمی لڑکی پر ڈالتے اپنے راستے پر خاموشی سے نکل گیا، اسے کیا غرض تھی کسی کی بیٹی گھر پہنچتی یا نہیں۔

"کہاں رہ گئے ہیں آپ؟" کپکپاتی انگلیوں سے ایک بار پھر وہ اسے فون ملانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن جواب ندارد۔

ابھی دس منٹ ہی گزرے تھے کہ، ایک سیاہ شیشیوں سے ڈھکی وین انوشے کے بلکل قریب آ کے رُکی، وہ اتنی تیزی اور اچانک سے آئی تھی کہ وہ بوکھلا کر دو قدم پیچھے ہٹی، پانی کی خالی بوتل ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گری، تین آدمی جن کا چہرہ سیاہ ماسک سے ڈھکا تھا انہوں نے کسی بھی قسم کا موقع دیئے بغیر، کسی کی نظروں میں آئے بغیر، کلوروفام لگا رومال انوشے کے منہ پر رکھ دیا اور اسے گھسیٹتے ہوئے وین میں ڈالا،یہ سارا عمل تقریباً ایک سے دو منٹ کے اندر ہی اندر ہوا تھا۔

وہ سیاہ وین ایک پھول سی لڑکی کی زندگی سیاہ کرنے کے راستے پر گامزن ہوگئ۔

اور جانتے ہیں اس سے تکلیف دہ منظر کونسا تھا؟ ٹھیک ۱۵ منٹ بعد وہاں اس کالج کے بڑے سے گیٹ کے باہر ہادی ابراہیم کی گاڑی رکی تھی، تب تک اسے بہت دیر ہو چکی تھی۔۔اسکی گڑیا کی زندگی سیاہ اندھیری رات کا حصہ بننے جا رہی تھی، وہ لیٹ ہو چکا تھا، ہادی ابراہیم اکثر انوشے ابراہیم کو یونہی فراموش کر جایا کرتا تھا۔

(کھڑکی کے پاس افق پر پھیلے چاند کو دیکھتی اب کی انوشے کی آنکھ سے ایک آنسو ٹوٹ کر گرا تھا،
یادیں انوشے ابراہیم پر بھی بُری طرح حاوی ہوا کرتیں تھی، ایک تھکن زدہ سی سانس خارج کرتے
اسنے دوبارہ سے اپنا سر کھڑکی کی پشت سے ٹکا لیا اور آنکھیں موندے وہ ماضی کی کھوج میں نکل پڑی
(

تم نے چکھی نہیں ہجر کی سوغات کبھی
تم پہ گزرے ہی نہیں موسم سزاؤں والے

وہ رات وہ سیاہ اندھیری ، وحشت ناک رات ، جس کا ایک ایک لمحہ اس کے ذہن کے پردے پر
نقش تھا ، جس رات نے اسکی معصومیت چھینی تھی ، جو رات اسکے لیے حد سے زیادہ بھیانک ثابت
ہوئی تھی ، کیا کوئی جانتا ہے ؟ اس وحشت ناک رات میں اُس کم عمر ، معصوم دل لڑکی پر کیا گزری
تھی ؟۔

اس رات اس کی آنکھیں کھلنے سے اِنکاری تھیں ، دماغ گویا سُن ہوگیا ہو، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت جیسے کسی نے سلب کرلی ہو ، اسکی تمام حسیں کام کرنا چھوڑ گئیں تھیں ، اسے نہ دکھائی دے رہا تھا ، نہ سُنائی دے رہا تھا ، اسے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا ، وہ کہاں تھی؟ دماغ پر زور ڈالتے ، دکھتے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھامتے اس نے اٹھنا چاہا لیکن اسے جلد اندازہ ہوگیا تھا ، کہ وہ اب کبھی بھی اٹھ نہیں سکے گی ، اسے لگ رہا تھا ، اسکے پاؤں پگھل رہے ہیں ، گرمی کی حدت سے ، لیکن وہاں تو نہ دن تھا ، نہ دھوپ کی حدت ، پھر کیا تھا ؟ وہ کوئلے تھے ، آگ میں جلتے کوئلے ، جنہیں ٹھیک اسکے پاؤں کے نیچے رکھا گیا تھا ، اسکے پاؤں باندھے نہیں گئے تھے ، بلکہ اسکے چاروں طرف وہ دہکتے کوئلے رکھے گئے تھے، پسینے سے تر ہوتے جسم کے ساتھ وہ بمشکل اٹھنے میں کامیاب ہوپائی ، جلتے کوئلوں کی بدولت فرش کا ٹمپریچر حددرجہ گرم ہوگیا تھا، اسکے پاؤں جل رہے تھے ، اسکا جسم جل رہا تھا ، اسکی آنکھیں آگ کی روشنی سے جل رہیں تھیں ، اس نے اردگرد دیکھنا چاہا ، لیکن اسے کچھ نظر نہ آیا، وہاں اندھیرا تھا ، گھپ اندھیرا ، صرف وہ تھی اور اسکے آس پاس موجود آگ ، اس معصوم دل لڑکی کا دل سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں لرز کے رہ گیا ، ایک منٹ کو اس نے سوچا ؟ کیا وہ مرنے جارہی ہے؟ کیا وہ زندہ جلا دی جائے گی ، اور یہ سوچ آتے ہی وہ اپنے پسینے سے تر ہوتے ہاتھوں میں اپنا چہرہ دیے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی ، وہ معصوم دل لڑکی رونے کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتی تھی؟

تم نے کبھی ایسا منظر دیکھا ہے کیا؟

"بھائی آپ کہاں ہیں ، کہاں ہیں آپ ہادی بھیا"۔اسے لگا تھا اگر وہ کچھ دیر اور وہاں بیٹھی رہی تو مرجائے گی، اسکا جسم پسینے سے شرابور تھا ، دل گرمی کی وجہ سے شدید گھبرا رہا تھا ، بال پسینے کی وجہ سے ماتھے پر چپک گئے تھے ، گلا پہلے ہی خشک تھا ، وہ دن بھر کی پیاسی اب پیاس کی شدت سے مزید بے حال ہونے لگی تھی ،سفید یونیفارم والی لڑکی ہاتھوں میں منہ دیے شدت سے رونے لگی۔

"آپ روئیں نہیں"۔اچانک اسے ایک لڑکی کی باریک سی آواز اپنے اردگرد سنائی دی۔

انوشے نے آواز پر اپنا سر اٹھا کے اپنے دائیں جانب دیکھنا چاہا ، لیکن وہاں بھی اسے صرف آگ کے شعلے نظر آرہے تھے ، اب کے اس نے تھوڑا سا اوپر ہوکے دیکھنے کی کوشش کی ، تو اسے اسی کی طرح آگ کے بیچ بیٹھی ایک لڑکی نظر آئی ، اس کے سر پہ حجاب تھا ، اور آنکھیں ، آنکھیں شاید سبز تھی ، جو آگ کی روشنی میں واضع دکھائی دیتی تھی ، اسے دیکھتے ہی پہلا تاثر کسی معصوم سی لڑکی کا پڑتا تھا۔

"آپ کون ہیں؟" وہ گیلی آواز میں بولی ، خود میں سمٹی ، آگ سے بچتی

"میں بھی آپ ہی کی طرح ایک قیدی ہوں ، لیکن میں روتی نہیں ہوں ، آپ بھی نہ روئیں"۔

"کیسے نہ روؤں؟ م۔مجھے گرمی لگ رہی ہے ، میرا جسم پگھل رہا ہے، مجھے گھر جانا ہے"۔گھر کا سوچتے ہی اسے ایک بار پھر سے رونا آیا۔

"گرمی مجھے بھی لگ رہی ہے ، جسم میرا بھی پگھل رہا ہے ، مجھے بھی رونا آرہا ہے ، لیکن میں روؤں گی نہیں"۔اس کی آواز بضد نہیں تھی ، اسکی آواز بہت میٹھی اور باریک تھی۔

"لیکن کیوں؟"۔انوشے اپنا رونا بھلائے ، حیرت سے اس کی بات سنتے ہوئے بولی۔

"اس لیے کیونکہ رونے سے ہم کمزور پڑھاتے ہیں اور میں کمزور نہیں پڑھنا چاہتی ، ان لوگوں کے سامنے تو بلکل بھی نہیں"۔

"لیکن کیوں؟"

"کیونکہ انہیں لگے گا میں کمزور ہوں ، انکے سامنے خاک برابر ہوں ، لیکن جانتی ہیں ، ہم خاک برابر صرف ایک ذات کے سامنے ہیں ، ہم اسی کے سامنے روسکتے ہیں ، تنہائی میں ، صرف اس کے سامنے "۔وہ بہت پیارا بولتی تھی۔

"لیکن یہاں آگ ہے ، اور جسم گرمی کی وجہ سے پگھل رہا ہے ، م۔میں اسطرح جل کے مر بھی تو سکتی ہوں"۔انوشے اپنے اردگرد ہاتھوں کو مضبوطی سے لپیٹتے ہوئے بولی۔

"وہ جو ابراہیم کا خدا ہے، وہی ہمارا خدا ہے، جب ابراہیم کو دہکتے کوئلوں پر پھینکا گیا تھا، تو اسی خدا نے آگ کو ٹھنڈا ہوجانے کا حکم دیا تھا، وہی خدا ہمارا بھی خدا ہے ، وہ ہماری بھی مدد کرے گا ، ہمیں بس مایوس نہیں ہونا ، ہمیں بس پر امید رہنا ہے"۔

"وہ اس لڑکی باتوں پر حیران رہ گئ تھی ، وہ رونا بھول گئ تھی ، حالانکہ آگ اب مزید بھڑک رہی تھی ، لیکن کچھ تھا جو انوشے ابراہیم کو تھوڑی دیر کے لیے پرسکون کرگیا تھا، شاید اس لڑکی کی باتوں کا اثر تھا"۔

اور جانتے ہیں وہ سبز آنکھوں والی لڑکی کون تھی؟ وہ لڑکی "مہر تھی" وہی جو بادلوں کی دیوانی تھی۔

گھبرا کر اس نے اپنی آنکھیں کھولیں، کمرے کی آب و ہوا میں اسے گھٹن ہونے لگی تھی، اسے اپنے چہرے پر نمی محسوس ہورہی تھی ، اسکا دل گھبرانے لگا ، جیسے کسی نے دوبارہ اسے تاریک کمرے میں قید کردیا ہو ، آس پاس آگ کے شعلے رکھ دیے ہوں۔

اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے اس نے خود کو کمپوز کرنا چاہا، مگر وہ مزید خود پر ضبط نہ رکھ پائی اور چہرہ دونوں ہاتھوں میں دیے پھوٹ پھوٹ کر رودی۔ کمرے میں اسکی سسکیاں گونجنے لگی، وہ خود کو وہی اٹھارہ سالہ لڑکی تصور کررہی تھی جسے سب بھول چکے تھے،وہ اسی طرح ہاتھوں میں منہ دیے رورہی تھی جب کسی نے بہت نرمی سے اسکے گرد اپنے مضبوط بازؤوں کا حصار باندھا۔
اس نے اپنا گیلا چہرہ اٹھایا تو دو فکرمند آنکھیں اسے ہی دیکھ رہیں تھیں۔
ابان نے ایک سرد سانس فضا میں خارج کرکے نرمی سے اپنی آنکھیں اسکے بکھرے سراپے پر ڈالی۔

"جانتی ہیں میں کیوں بے فکری سے نہیں سوسکا؟ کیونکہ جس لڑکی نے مجھے بے فکری سے سوجانے کو کہا تھا وہ اس وقت انوشے ابراہیم تھی ،انوشے ابان نہیں ، اور انوشے ابراہیم سے میری جب بھی ملاقات ہوئی ہے ، اسی حالت میں ہوئی جس حالت میں آپ اس وقت ہیں۔"
وہ نم آنکھیں لیے اسے دیکھ رہی تھی ، جس کی اپنی آنکھیں بھی لال ہورہی تھیں، نجانے کیوں اسکی آنکھیں لال تھیں۔

"انوش آپ جتنا اُس بارے میں سوچیں گیں ، خود کو اتنی ہی اذیت پہنچائیں گیں، آپ کیوں ماضی کی یادوں کو پنجرے میں قید کیے ہوئے ہیں؟ انہیں آزاد کردیں ، خود کو ان یادوں سے آزاد کردیں"۔
وہ نرمی سے بولتا تھا ، اور یہی تو وجہ تھی اس کی باتیں دل میں اُتر جایا کرتیں تھیں۔

وہ سانس روکے ، نم آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔
اس کا بے تاثر چہرہ دیکھتے ابان نے ایک ٹھنڈی آہ بھری تھی، اسے لگا تھا وہ اسے نہیں سن رہی۔

"کھڑیں ہوجائیں انوش!! "
اسے اپنے حصار سے آزاد کرتے اس کے دونوں ہاتھوں کو تھامتے وہ اسے کھڑا کر چکا تھا۔
اس سے چار قدم کا فاصلہ قائم کرتے وہ پیچھے ہوگیا۔

سن ہوتے دماغ کے ساتھ اس نے ابان کی طرف دیکھا، جو نجانے کیا کرنے کو کہہ رہا تھا۔

"اپنے دونوں بازوؤں کو ہوا میں بلند کریں، یوں (وہ خود اپنے بازو پھیلا کر بتانے لگا) جس طرح ایک پرندہ اپنے پر پھیلائے ہوئے ہے۔"

وہ ہنوز ویسی ہی کھڑی رہی ، ماضی کی بے رحم یادوں پر ، اسکا حال اسی طرح ہوجایا کرتا تھا۔
اسکی طرف سے کوئی ردعمل نہ دیکھتے ، ابان پانچ منٹ تک فکرمندی سے اُسے دیکھتا رہا ، نجانے کب وہ ان یادوں سے خود کو آزاد کرے گی۔ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا، جب ایک دھیمی سی آواز اسکی سماعتوں میں پڑی، وہ بہت آہستگی سے کچھ کہہ رہی تھی۔

"پرندوں کو قید سے رہائی صبح کی کرن میں ملا کرتی ہے ابان ، میں بھی اپنی ماضی کی یادوں کو صبح آزاد کردوں گی ، آزادی سے قبل کے لمحات اکثر تکلیف دہ ہوتے ہیں"۔
اسکی آواز میں کچھ تھا ، جیسے وہ اب تھک چکی تھی ، اس سب کو وہ اب ختم کرنا چاہتی تھی ، اور وہ جانتی تھی ، اسے اس کی یادوں سے رہائی کہاں ملے گی۔

****

صبح کے وقت موسم کافی خوشگوار تھا، سورج آج آنکھ مچولی کھیلتا کبھی منظر پر آتا کبھی بادل کے کسی ٹکڑے کے پیچھے منظر سے غائب ہو جاتا، ہلکی ہلکی ہوا بدن کو چھوتی گزرتی تو سکون سا محسوس ہوتا۔
وہ برآمدے میں پڑی کرسیوں میں سے ایک پر یوں بیٹھی تھی کہ ٹانگیں سامنے میز پر قینچی کی صورت میں رکھی تھی،ایک ہاتھ میں کتاب تھامے پڑھنے میں مصروف دکھتی تھی،لمبے بال کرسی کی پست پر جھول رہے تھے، کچھ لٹیں چہرے کے اطراف میں جھول رہی تھی۔
رفعت پی ٹی سی ایل کان سے لگائے تخت کے ایک کونے پر ٹکی سن رہیں تھیں، ماہ نور کی ان کی جانب پشت تھی۔
"جی۔۔۔جی۔۔۔ہاں جی بھابھی بس ہماری تو ساری تیاری مکمل ہی سمجھیں۔"رفعت فون پر دوسری جانب کیے جانے والے تبصرے پر جواب دیتے بولیں۔

"نہیں بھابھی ریحان کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔اس نے ماہ نور سے کہا ہے کہ وہ شادی کے بعد بھی جاب کرنا چاہے تو کر لے، نہیں کرنا چاہتی تب بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔اور آپ بتائیں بھائی صاحب کیسے ہیں؟"

ماہ نور نے اپنا نام پکارے جانے پر ایک نظر مڑ کر ماں کو دیکھا پھر دوبارہ سے کتاب کی جانب رخ پھیر لیا یقیناً تائی کا فون تھا۔

"جی بہت شکریہ بھابھی، ہاں جی۔۔۔نہیں نہیں آپ کو کوئی تکلف کرنے کی ضرورت نہیں ہے،سب کچھ ہو چکا" کچھ دیر رک کر ان نے دوسری جانب بات سنی پھر کہنے لگیں۔

"ہاں بس شادی کے کارڈ کچھ دونوں میں آ جائیں گے،ویسے بھی سب کچھ سادگی سے ہی ہے۔سائرہ (ماہ نور کی ساس) اور بھائی صاحب کہہ رہے تھے کہ سادگی سے ہی سب کرنا چاہ رہے ہیں۔اور پھر ماہ نور کو تو آپ جانتی ہی ہیں، اسے ویسے بھی کوئی لمبی چوڑی تقریبات نہیں پسند وہ بھی خوش ہے کہ سادگی سے ہی نکاح ہو گا۔"

اس نے آہستگی نے میز سے پیر نیچے اتارے اور کتاب میز پر رکھی اور پاس پڑا چائے کا مگ ہاتھ میں تھام کر ایک گھونٹ بڑھتے کتاب کو دیکھا جس کا صفحے ہوا کی وجہ سے خود بخود پلٹ رہے تھے۔دیکھتے ہی دیکھتے اس کی زندگی کی کہانی کے صفحات بھی پیچھے کی جانب پلٹنے لگے۔

یہ ایک ہفتہ پہلے کا دن ہے۔اس سے اگلے جس سے پچھلی رات اس نے ویڈیو دیکھی تھی۔ابھی تک وہ اس ویڈیو کے زیرِ اثر شیشے کے سامنے کھڑی اپنا عکس دیکھ رہی تھی۔لمبے بال ٹیل پونی میں بندھے ہوئے تھے۔چہرہ پانی سے تر ، تھوڑی سی پانی کا ٹپک کر گرا۔سامنے سے کچھ گیلی لٹیں چہرہ کے اطراف میں جھول رہی تھیں۔دماغ ایک ہی نہج پر اٹکا تھا کہ اس نے جو سب دیکھا تھا کیا اسے اس سب کا یقین کرنا چاہیے یا نہیں؟ دل کے بہت اندر کہیں کوئی اسے اس ویڈیو کو استعمال کرنے بول رہا تھا۔ لیکن نہیں وہ ایسا نہیں کر سکتی۔۔۔افففف وہ۔۔۔اگر اماں۔۔۔نہیں نہیں!! وہ اور تائی کے سامنے یہ سب لے کر جائے؟ نہیں وہ نہیں جائے گئی۔اگر اماں کو پتا چل گیا تو؟ ذہن میں ایک کے بعد ایک سوال چل رہا تھا۔ساری سوچوں کو جھٹکتے اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔وہ ایسا کچھ نہیں کرے گی۔

"تم ایسا کر سکتی ہو ماہ نور۔" آئینے میں کھڑے اس کے عکس میں کہا۔

"آہ سٹاپ اٹ۔۔۔جسٹ سٹاپ اٹ!! میں ایسا کچھ نہیں کروں گی۔تم مجھے مت اکساؤ۔"
وہ ایک دم دنوں ہاتھ ڈریسنگ پر رکھتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرائی۔

آئینے میں نظر آتے عکس کہ چہرے پر ایک کمینی سی مسکراہٹ ابھری۔پھر اس نے بھی سکون سے ڈریسنگ پر ہاتھ رکھے اور جھکی، تھوڑا کان کے قریب آکر سرگوشی میں بولی۔

"تم وہ دس سال پہلے والی ماہ نور سجاد نہیں ہو۔مجھے معلوم ہے تم اپنا حق نہیں چھوڑو گی۔" تھوڑا پیچھے ہو کر ماہ نور کی آنکھوں میں جھانکا۔

وہ ایک دم واضح چونکی۔
"کیا م۔۔۔میں ایسا کر سکتی ہوں۔"ماہ نور نے تصدیق چاہی۔

"میں تو اس ماہ نور سجاد کو جانتی ہوں جو خود پر میلی نگاہ ڈالنے والوں کی ٹانگیں بھی توڑ سکتی ہے۔جو اپنے حق کے لیے آدھی رات کو کسی کے گھر سے فائل بھی چوری کر سکتی ہے۔"اس نے دھیمے نرم انداز میں سرگوشی کی اور پھر سیدھی ہوئی اور ہاتھ کو کندھے تک لاتے اپنی چار انگلیوں کو ہلایا۔وہ جا رہی تھی۔

"سنو رکو۔۔۔میں اکیلے کیسے کروں گی یہ سب؟؟"
ماہ نور نے ہاتھ بڑھا کر اسے روکنا چاہا مگر وہ مدھم مسکراہٹ لیے پیچھے کی جانب قدم اٹھاتی جا رہی تھی اور پھر دھواں بن کر غائب ہو گئی۔اس کا ہاتھ پہلو میں آ گرا۔

اسلام آباد میں آج صبح سے ہلکی ہلکی بارش لگی ہوئی تھی، موسم کافی حد تک ٹھنڈا اور پر سکون ہو چکا تھا، ماحول میں پھیلی مٹی کی گیلی خوشبو تازگی کا احساس بخش رہی تھی۔
اگر انوشے اور ابان کے مشترکہ ہوٹل روم میں بنی کھڑکی سے نیچے کا منظر دیکھے تو لوگ ہاتھوں میں چھتریاں تھامے، خود کو بارش سے بچاتے، موسم سے لطف اندوز ہوتے، گیلی سڑک پر چہل قدمی کر رہے تھے، تارکول کی سڑکیں بارش کے پانی سے دُھل کر صاف ستھری دکھائی دے رہیں تھیں، ہر شے جیسے پر سکون ہو گئ ہو سوائے اس کے۔

وہ کالے رنگ کی خوبصورت گھٹنوں تک آتی فراک کے ساتھ ہم رنگ کیپری پہنے، ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی اپنے بال بنا رہی تھی۔ آنکھیں ویران اور افسردہ تھیں، بالوں کو بل دیتے وہ انہیں اونچی پونی ٹیل میں مقید کر رہی تھی وہ پونی جو اسکی شخصیت کا خاصہ ہوا کرتی تھی۔ مکمل طور پر تیار ہوتے اس نے خود پر ایک نظر ڈالی، وہ آج انوشے ابراہیم ہی لگ رہی تھی، وہی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں والی انوشے۔۔۔۔بیڈ پر اس کی استری شدہ کالی پشمینہ شال نفاست سے پڑی تھی، شیشے میں دیکھتے خود پر اچھی طرح شال لپیٹتے وہ اب صائم کی جانب مُڑی، جو قدرے دو قدم کے فاصلے پر سٹول پر چڑھے شیشے میں دیکھتا، اپنے بال ماتھے پر بکھیر رہا تھا۔ وہ بلیک شرٹ کے ساتھ ہم رنگ ٹراوزر پہنے ہوئے تھا، وہ بلکل کسی کا پرتو تھا۔

اسے دیکھتے ہی انوشے نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔یہ تو طے تھا صائم مصطفی کبھی بھی اپنے بال نفاست سے نہیں بنائے گا ، اس کو اس طرح دیکھتے اسے ہمیشہ وہ یاد آتا تھا ، ہمیشہ !

"چلیں ؟" اسکی طرف دیکھتے وہ نرمی سے مسکرا کے بولی۔

"یس ، لیکن ہم جا کہا رہے ہیں ؟ "
اپنی گول مٹول آنکھوں میں سوال لیے وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"بس۔۔۔یونہی گھومنے"

"اتنی بارش میں ، وہ بھی پیدل ہم گھومنے جائیں گے ؟"
اسے پیدل جانے کا غم کھائے جا رہا تھا۔

ابان کسی اہم میٹنگ کے سلسلے میں صبح ہی آفس جا چکا تھا ، صائم دنیا جہان سے بے خبر خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہا تھا ، لیکن انوشے نے اسکے مزے زیادہ دیر تک قائم نہیں رہنے دیئے۔اسے گھومنے پھرنے اور آئس کریم کا لالچ دے کر اٹھاتے ، بعد میں مزے سے کہہ گئی ، آج صائم اور اس کی مما پیدل واک پر جائیں گے۔اس پر اس نے اچھا خاصہ منہ بنایا تھا۔

اسے دیکھتے انوش کہی بہت پیچھے چلی گئی تھی۔

)ماضی)

"ہادی بھیا اٹھیں ، بھیا اٹھیں۔"

اٹھارہ سالہ انوش بیڈ پر لیٹے ہادی کو جھنجھوڑ کے اٹھا رہی تھی۔

"افوہ گڑیا سونے دو۔"

"بھائی باہر بارش ہو رہی ہے ، چلیں پیدل آئس کریم کھانے چلتے ہیں۔"

"بارش !!" وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا ، ساری بات میں اسے صرف یہی لفظ سنائی دیا تھا۔

"جی بارش۔۔۔چلیں اٹھیں۔"

وہ اسکا ایک ہاتھ تھامتے گھسیٹے ہوئے بولی

"بارش میں باہر؟ وہ بھی پیدل؟ اور میں؟ ہرگز نہیں۔۔۔شاباش جاؤ چپ کر کے سو جاؤ اتنے اچھے موسم میں سونے کا بھی الگ ہی لطف ہے۔"

اور یہ کہتے ہی اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے آزاد کرواتے وہ منہ تک کمفرٹر اوڑھے لیٹ گیا۔

"آپ بلکل بھی اچھے بھائی نہیں ہیں۔"

وہ غصے سے پیر پٹختے ہوئے بولی۔

"اچھے بھائی نہ ہونے کا اعزاز مجھے کئی بار حاصل ہو چکا ہے۔"

کمفرٹر کے بیچ میں سے ہانک لگائی گئی۔

"پھر بھی آپ کو شرم نہیں آتی۔"

"سرٹیفائیڈ بے شرم ہوں۔"

(حال)

"مما۔کیا ہوا ؟ بتائیں؟ ہم پیدل کیوں جا رہے ہیں؟"

صائم کی آواز اسے واپس کھینچ لائی تھی۔

"صائم مما ناراض ہو جائیں گیں اب آپ سے اگر آپ نے مزید بحث کی تو۔۔۔آپ میری ایک بات نہیں مان سکتے ؟ آپ بھی بارش کے موسم میں اپنی مما کو انکار کرو گے ، ہرٹ کرو گے؟"
نجانے کیوں وہ حساس ہو رہی تھی ؟ نجانے کیوں صائم میں اسے وہ دکھتا تھا ؟ نجانے کیوں صائم اسکا امتحان لیتا تھا۔

"نو مما !! میں بلکل بھی آپ کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا چلیں ؟ "
اپنا ننھا سا ہاتھ ماں کی طرف بڑھاتے وہ بہت نرمی سے بولا تھا۔

اپنی مما کو تکلیف میں دیکھتے وہ پل میں ابان مصطفی کا پرتو بن جایا کرتا تھا۔۔۔اسی کی طرح حساس ، اور نرم ، نجانے کیوں !

انوشے نے دیکھا اسکا بیٹا اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھائے ہوئے تھا۔وہ ہاتھ کھینچ نہیں رہا تھا ، وہ بڑھا رہا تھا ، وہ انکار نہیں کر رہا تھا ، وہ تیار تھا ، وہ اپنی مما ساتھ جانے کو تیار تھا ، ہاں اس میں اور اس شخص میں فرق تھا ، وہ اسکا بیٹا تھا !

دل کے کسی کونے نے سرگوشی کی تھی ،"لیکن وہ تمہارا بھائی تھا !"

تھوڑی دیر بعد دیکھے تو تارکول کی گیلی سڑک پر ایک بیٹا اپنا ننھا سا ہاتھ اپنی ماں کے ہاتھ میں دیئے ہوئے تھا، اور ماں ایک ہاتھ سے چھتری تھامے، دوسرے ہاتھ سے بیٹے کا ننھا سا ہاتھ تھامے ہوئے تھی۔

اور وہ دونوں ماں بیٹے دنیا جہاں سے بے خبر آپس میں مگن تھے، وہ جن راستوں پر تھی، وہ راستے بہت جانے پہچانے تھے، اسے معلوم تھا اس کے قدم کس جانب اٹھ رہے تھے۔

تقریباً بیس سے تیس منٹ کے بعد وہ ایک پر تعیش کالونی میں داخل ہوئی۔ اس کالونی میں داخل ہوتے ہی پہلے کمرشل ایریا تھا، سات سے آٹھ منزلہ فلیٹس کی بلڈنگز، آئس کریم پارلرز، فاسٹ فوڈ ریستوران، میڈیکل سٹور، گراسری شاپس۔۔ غرض کے ہر سہولت موجود تھی۔ اسکی نظر تو ایک بڑے سے بورڈ جس پر 'ہاؤس آف کوزین' (House of cuisine) لکھا تھا اسی پر ساکت ہو گئ۔ اس جگہ سے بہت یادیں وابستہ تھیں۔ وہاں قطار میں دیگر قسم کے ریستوران موجود تھے اور انہی ریستوران کے باہر ایک خوبصورت سی سٹنگ ایریا بنائی گئی تھی، جہاں پر بیٹھے لوگ اپنے پسندیدہ ریستوران سے کھانا آرڈر کرتے اور باتوں سے لطف اندوز ہوتے۔ وہ ایک بہترین جگہ تھی۔ اسنے ایک ہاتھ سے چھتری اور ایک ہاتھ سے صائم کو اب تک تھام رکھا تھا، لیکن اسکی نظر تو ایک ٹیبل کے گرد بیٹھے ہنستے مسکراتے خاندان پر ہی رک گئی تھی۔ اسے بہت کچھ یاد آرہا تھا، بارش اب بھی ہلکی ہلکی جاری تھی، لیکن اسکی کالی سیاہ آنکھیں ماضی کی یادوں سے ایک بار پھر سے دھندلانے لگیں۔

ماضی)

اٹھارہ سالہ انوشے ہاتھ میں آئس کریم کا چاکلیٹ سپیشل کپ تھامے ، مسلسل اپنی ایک ٹانگ ہلاتے ، مزے سے آئس کریم کھانے میں مصروف تھی۔اسکے دائیں جانب مسز ابراہیم ، بائیں جانب ابراہیم ، اور سیدھ میں ہادی بیٹھا تھا۔وہ کافی سے لطف اندوز ہو رہے تھے ، موسم بھی کافی خوشگوار تھا۔

آئس کریم کھاتی انوشے کو اندازہ بھی نہیں ہو سکا وہ سب اسے دیکھ کر اپنی مسکراہٹ روکے ہوئے تھے ، خاص طور ہر ابراہیم۔

"آپ سب مجھے دیکھ کر مسکرا کیوں رہے ہیں ؟"
وہ ان سب کے چہروں پر مسکراہٹ دیکھتے تعجب سے بولی۔

"کیونکہ میری بیٹی اس وقت ہماری مسکراہٹوں کا باعث بن رہی ہے۔"آنکھوں پر نظر کا چشمہ اور چہرے پر وہی مخصوص نرم گرم مسکراہٹ لیے با وقار سے ابراہیم پیار سے اسے دیکھتے ہوئے بولے۔

"میں نے آپ لوگوں کو کوئی لطیفہ سنایا ہے ؟"
آئس کریم سے بھرا چمچ منہ میں ڈالے تعجب سے انہیں دیکھتے ہوئے بولی۔

"نہیں میری بیٹی تو خود ایک لطیفہ لگ رہی ہے۔"
مسز ابراہیم اسکے منہ پر پھیلی آئس کریم کو دیکھتے مسکراہٹ روک کے بولیں۔

"مام وہ آپ کی بیٹی ہے ، آپ اسے لطیفہ نہیں کہہ سکتیں۔"
موبائل استعمال کرتے ، ہادی نے ایک نظر انوشے کو دیکھتے ، مسز ابراہیم کی بات کا بُرا منایا تھا۔

"وہ اتنی بڑی ہو گئیں ہیں ، پھر بھی بچوں والی حرکتیں ، اب میں اتنا بھی نہیں کہہ سکتی۔"

مسز ابراہیم جانتیں تھیں، اگرچہ وہ ظاہر نہیں کرتا تھا ، لیکن وہ انوشے کی بے جا فیورز کیا کرتا تھا ، اکثر اوقات اسکی خاطر وہ ان دونوں سے ڈانٹ بھی کھا لیا کرتا تھا۔وہ لا پرواہ تھا ، لیکن پیار بانٹنا جانتا تھا۔

"کتنی بڑی ہوئی ہے مام ؟ دیکھیں ابھی اسکی طرف اتنی سی گڑیا ہی تو ہے ہماری۔"
وہ انوشے کی طرف دیکھتے مسکرا کر بولا۔

"ہادی بچے گڑیا بہت نازک ہوا کرتیں ہیں ، وہ ٹوٹ جایا کرتی ہیں ، اپنی بہن کو بڑے ہونے دیں ، اس میں آپ کا اور آپ کے ڈیڈ کا قصور ہے۔ آپ دونوں اسے بڑا نہیں ہونے دیتے ، اسے اس قابل بنائیں کہ وہ معاشرے کی سرد ہواؤں کا سامنا کرنا سیکھے۔"
وہ فکرمند تھیں انوشے کے لیے کیونکہ وہ بے حد معصوم تھی ، معاشرہ معصوم لوگوں کا جینے نہیں دیا کرتا۔

"بیگم کیا کرتیں ہیں ، بچی ہی تو ہے ابھی وہ ، سیکھ جائے گی۔"
اور ابراہیم کے اتنے کہنے کی دیر تھی ، انوشے نے ہمیشہ کی طرح اٹھ کر انہیں گلے لگایا۔

"جانتے ہیں ڈیڈ آپ ورلڈ کے بیسٹ باب ہیں۔"
وہ انہیں زور سے ہگ کرتے ہوئے بولی۔

"اور میں بیسٹ بھائی۔"
وہ کیوں پیچھے رہتا۔

"نہیں آپ بلکل بھی اچھے بھائی نہیں ہیں۔"

اور وہ ہمیشہ اسے یونہی چڑایا کرتی تھی، آگے بڑھ کے ہادی کے ماتھے پر بوسہ دیتی وہ جھٹ سے پیچھے ہٹی۔

"انوشے!!!!!!!!!!"

(حال)

ایک تیز گاڑی کے ہارن نے اسے حال میں واپس آنے پر مجبور کر دیا۔اسکا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔یہ جگہ اس کے دل پر بہت گہرے ضرب لگا رہی تھی ، اور آج وہ انہی پرانے زخموں کو تازہ کرنے آئی تھی ، آزاد کرنے آئی تھی ، کیا ایسا ممکن تھا ؟

"آپ اداس ہیں ؟"

اسکے چلتے قدم ایک دم ٹھہرے تھے ، صائم اسکے سامنے آ کے کھڑا ہوگیا اور اپنی ماں کی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے بولا۔وہ انوشے کے ہر تاثر سے واقف تھا۔

"مجھے یہ جگہ اداس کر رہی ہے صائم۔"

بیچ سڑک میں رُک کے وہ اسکی طرف تھوڑا سا جھک کے بولی ، اسکے اوپر آسمان نیلا تھا ، صاف اور شفاف۔

"چلیں واپس چلتے ہیں "
وہ انوشے کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولا۔

"تھوڑی دیر اور پھر ہم چلے جائیں گے۔۔۔بس تھوڑا اور آگے! "
وہ اسکا وہی ہاتھ دوبارہ سے تھامے پھر سے چلنے لگی۔آج اسکے قدم تھک نہیں رہے تھے، بھاری تھے ۔۔۔بہت بھاری!

اسکا دل دھڑکنا بھول گیا تھا، ایک نظر صرف ایک نظر اٹھا کر اسنے اپنے سامنے بنے گھر پر ڈالی تھی ، وہ جہاں تھی وہی رک گئی تھی، وقت جیسے تھم گیا ہوگا، اس ایک نظر میں ہی اسے معلوم ہوگیا تھا وہ مزید وہاں کھڑی نہیں ہوسکے گی۔وہ اس کا گھر تھا، وہ گھر جہاں وہ رہا کرتی تھی، وہ گھر جہاں اس کے ڈیڈ تھے، مام تھیں اور؟ اور کون تھا؟ وہ بس اسی 'اور' پر آکے رک جایا کرتی تھی، لیکن اب یہ گھر وہ گھر تو نہ تھا جہاں انوشے ابراہیم رہتی تھی۔یہ تو کوئی بنجر گھر معلوم ہوتا تھا، ویران، خاموش اور ساکن! گھر کے باہر موجود تختی پر اسکی نظر پڑھی تو کالی آنکھیں ایک پل کو حرکت کرنا بھول گئیں، تختی پر 'ابراہیم مینشن'لکھا تھا۔۔۔وہ اسکے ڈیڈ کا نام تھا، وہ ڈیڈ جن کی وہ لاڈلی گڑیا تھی، وہ ڈیڈ جو اسے ماں کی ڈانٹ سے ہمیشہ بچالیا کرتے تھے، ماں؟

اور ماں کی ڈانٹ اب وہ بھی تو نہیں تھی ، نہ ڈانٹنے والی رہی تھی ، نہ ڈانٹ سے بچانے والا رہا تھا،
صرف یادیں تھیں ، ایک آنسوؤ باہر کھڑی لڑکی کی آنکھوں سے گرا تھا۔
اس نے آگے بڑھ کے اس تختی پر موجود جالے اپنے ہاتھ کی مدد سے صاف کیے تو اب اسے واضع
ابراہیم لکھا دکھائی دے رہا تھا ، بہت پیار سے وہ اس تختی پر ہاتھ پیر رہی تھی۔
اسکے ساتھ کھڑا صائم اپنی گول مٹول آنکھوں میں فکرمندی لیے انوشے کو دیکھ رہا تھا۔

وہ مگن سی تختی پر ہاتھ پھیر رہی تھی ، جب اچانک سے اسے گیٹ کُھلنے کی آواز سنائی دی ، اسنے
پلٹ کر دیکھا تو وہ جہاں تھی وہی رک گئ تھی ، آس پاس جیسے سب کچھ تھم گیا ہو ، ہاتھ میں تھامی
چھتری پر گرفت ڈھیلی پڑی تو وہ اڑ کر سڑک کے اس پار جا گڑی ، گیٹ کے عین سامنے وہ کھڑا تھا ،
اسی کی طرح ساکت و جامد ، بلیک ہڈ میں ، ہمیشہ کی طرح بال ماتھے پر گرائے ، ان دونوں کے آس
پاس ہر شے جیسے سن ہوگئ ہو ، کالی آنکھیں ،ہیزل براؤن آنکھوں پر ہی ٹھہر گئیں تھیں
وہ آنکھیں سرخ تھیں ، ان آنکھوں میں تکلیف تھی ، خوشی تھی ، یا حیرانی تھی وہ سمجھ نہیں پا رہی
تھی ، ایک پل کو صرف ایک پل کو انوشے کا دل چاہا وہ آگے بڑھ کے اپنے بھائی کے بال بگاڑے ،
اسکے ماتھے پر بوسہ دے ، اور ہمیشہ کی طرح اسے تنگ کرتے بھاگ جائے ، اسکا دل چاہا وہ سامنے
کھڑے شخص کے گلے سے لگ کر خوب سارا روئے ، لیکن وہ ایسا نہ کر سکی۔
دوسری طرف ہادی کو زندگی میں پہلی بار کسی کا سامنا کرتے ہوئے خوف محسوس ہوا تھا ، پہلی بار اسکے
قدم لڑکھڑائے تھے ، اسے یقین نہیں آرہا تھا، سیاہ کپڑوں میں موجود اس کے سامنے اسکی گڑیا کھڑی

تھی ، خواب تھا یا حقیقت ؟ اتنے سالوں بعد اسے اُسے کے سامنے آنا بھی تھا تو یوں آنا تھا؟ اس طرح؟؟ وہ حل نہیں پایا ، وہ وہی تھا ، اسکی زندگی جیسے رک گئ ہو ، وہ دونوں نجانے کتنے برس بعد آمنے سامنے تھے۔وہ لاہور سے اسلام آباد آخری دفعہ کچھ وقت اپنے گھر میں گزارنا چاہتا تھا ، اسے نہیں معلوم تھا ، قسمت اسے وہاں کس سے ملاونے والی تھی۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جاری ہے